فقه الجهاد

کفار پر
عام تباہی مسلط
کرنے کی شرعی حیثیت

شیخ ناصر بن حمد الفہد، فک اللہ اسرہ

(ربیع الاول-١٤٢٤ھ)

مترجم: حافظ عمّار صدّیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب	....	کفّار پر عام تباہی مسلط کرنے کی شرعی حیثیت
مصنف	....	شیخ ناصر بن حمد الفہد، فکّ اللہ اسرہٗ
مترجم	....	حافظ عمار صدیقی
ناشر	....	دار الاشاعت الاسلامیہ، اردو بازار لاہور
قیمت	....	۲۵ روپے
طبع اوّل	....	جمادی الاول ۱۴۲۵ھ
طبع دوم	....	رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مترجم

جہاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد کردہ ایک فریضہ ہے۔اس عظیم عبادت کی قبولیت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ فی سبیل اللہ ہو۔فی سبیل اللہ کے معنی میں دو باتیں شامل ہیں:

۱۔ یہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے ہو۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تابع ہو۔

کفر کی قوت وشوکت توڑنے کے لئے وقت کے مؤثر ترین ہتھیار استعمال کرنا اور نتیجہ خیز اندازِ جنگ اختیار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت رہی ہے۔پھر جوں جوں دنیا نت نئے اندازِ جنگ اور متنوع ہتھیاروں سے آشنا ہوئی ،فقہائے ملت نے سنتِ مطہّرہ ہی کی روشنی میں ان کے استعمال کی شرعی حیثیت کا تعین کیا۔

موجودہ عالمی تحریکِ جہاد میں مجاہدین نے کفار پر حملوں کے لئے جو ذرائع اور انداز اختیار کیے ہیں،اس کی مثالیں گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ، گیارہ مارچ ۲۰۰۳ء کو میڈرڈ اور سات جولائی ۲۰۰۵ء کو لندن کی کارروائیوں کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

ان کارروائیوں اور اندازِ جنگ کو غلط قرار دینے والوں نے ان کی شرعی حیثیت کے تعین کے لئے قرآن وسنت کی نصوص اور فقہاء کی عبارات کی طرف رجوع کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ بلکہ اس کے برعکس اس تنقید ومحاسبے کے لئے انہوں نے بالعموم کفار کے معیارات کو بنیاد بنایا۔کسی نے

''ملٹری'' اور''سویلین'' کی بدعتی تقسیم کو پیشِ نظر رکھا تو کسی نے یہود و نصاریٰ کے بنائے ہوئے بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں ان کے جواز کو پرکھا۔نتیجتاً عالمِ اسلام اور عالمِ کفر، دونوں ہی کے ''دانشوروں'' کا جو موٴقف سامنے آیا وہ ایک سا تھا۔لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حق کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہر دور میں اہلِ حق کو کھڑا کرتا رہا ہے۔موجودہ حالات میں بھی اللہ تعالیٰ نے کئی نامور علماء کو اس بات کی توفیق دی کہ وہ حق کو اعلانیہ طور پر حق کہنے کا فریضہ سرانجام دیں۔یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، انہی اہلِ علم میں سے ایک نامور عالمِ دین، شیخ ناصر بن حمد الفہد کی تالیف **حكم استخدام أسلحه الدمار الشامل ضد الكفّار** کا ترجمہ ہے۔

جزیرۂ عرب سے تعلق رکھنے والے شیخ ناصر بن فہد نے حق و باطل کی تلبیس کے اس ماحول میں جہاں ایک طرف اپنے زبان و قلم سے حق کا دفاع کیا اور شرعی دلائل سے یہ بات ثابت کی کہ مجاہدین کا موجودہ اندازِ جنگ اور کارروائیاں شرعاً جائز ہیں، وہیں قطعی براہین سے یہ بھی باور کرایا کہ ان حالات میں ان کا ترک کرنا جہاد کو معطل کرنے کے مترادف ہوگا۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ نتیجہ بھی بخوبی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عالمی تحریکِ جہاد کو لے کر چلنے والے قائدین اپنے اقدامات اور لائحہ عمل شریعتِ مطہرہ کی روشنی اور علماء کی رہنمائی ہی میں ترتیب دے رہے ہیں۔اس کے مقابلے میں جو لوگ اللہ کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو لوگوں کی نظروں سے چھپاتے ہیں اور احکامِ شریعت کی من مانی تشریح کرتے ہیں، یہ کتاب ان کے خلاف بھی ایک حجت ہے۔

آج شیخ ناصر بن فہد حجاز کے قید خانوں میں ابتلاء و آزمائش کی بھٹیوں سے گزر رہے ہیں۔اور کچھ ایسے ہی حال سے وہ سب علماء دوچار ہیں جنہوں نے کفر کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ جہاد کو تازہ کرنے کی بات کی ہے۔قتل، قید اور جلاوطنی ...... یہ سب کچھ حق گوئی کی وہ سزا ہے جو اہلِ حق نے ہر دور میں جھیلی ہے۔لیکن ان ہستیوں نے دنیا کی یہ سب سزائیں برداشت

کرنا محض اس لئے گوارا کیا تا کہ کل کو آخرت کی اس ہولناک سزا سے چھٹکارا پاسکیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یوں فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥(البقرۃ: ۱۷۴)

''یقیناً جو لوگ ان احکامات کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں اور انہیں تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، وہ اپنے پیٹ آگ کے سوا کسی چیز سے نہیں بھر رہے ،اور نہ تو اللہ ان سے قیامت کے دن بات کرے گا نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے، ان کا دفاع کرنے والے مجاہدین کی نصرت فرمائے اور ان مجاہدین کا دفاع کرنے والے علماء کو پوری امّت کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام اہلِ ایمان کو بھی بہترین اجر سے نوازے جن کی مدد و نصرت سے مجاہدین، جہاد کا یہ سفر طے کر رہے ہیں۔ اللہ ارضِ حرمین کے قید خانے میں شیخ ناصر بن فہد پر اپنی طرف سے خصوصی سکینت نازل فرمائے، ان کو طاغوت کے چنگل سے رہائی عطا فرمائے، اس ابتلاء میں انہیں ثابت قدم رکھے اور امت کے علماء کو حق گوئی میں ان کی مثال بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حافظ عمّار صدّیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ موضوعات

علمائے مالکیہ کی آراء

علمائے شافعیہ کی آراء

علمائے حنابلہ کی آراء

علمائے ظاہریہ کی رائے

دیگر مجتہدین کی آراء

باب چہارم، شبہات کا ردّ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ، والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللّٰہ، وبعد:

ایک محترم بھائی نے، جو اپنا قلمی نام ''اللہ کے فرمانبرداروں کا بھائی'' بتاتے ہیں، مجھ سے ویب سائٹ کے ذریعے ''کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کی شرعی حیثیت'' کے متعلق سوال کیا تھا۔ سوال کا متن اور اس کا جواب ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے:

سوال: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

ذرائع ابلاغ کے ذریعے نشر ہونے والی یہ خبر اب کسی سے پوشیدہ نہیں کہ القاعدہ امریکہ پر ''عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں'' سے حملے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ''عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار'' دورِ جدید ہی کی پیداوار ہیں اور عصرِ حاضر کے علماء نے تا حال ان ہتھیاروں کی شرعی حیثیت کا تعین نہیں کیا۔ لہٰذا میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اس ضمن میں درج ذیل سوالات کے جوابات پر روشنی ڈالیں:

- کیا مجاہدین کے لئے عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار استعمال کرنا جائز ہے؟
- اگر ایسا کرنا جائز ہے، تو کیا یہ جواز مطلقاً تمام حالات کے لئے ہے یا یہ ہتھیار کسی ناگزیر ضرورت کے وقت ہی استعمال کیے جا سکتے ہیں؟ مثلاً، جب دشمن کے شر سے نجات پانے کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو یا یہ خوف ہو کہ اگر

مجاہدین نے یہ ہتھیار استعمال نہ کیئے تو دشمن ان کے استعمال میں پہل کر دے گا؟

- اس کرّہ زمین کو آباد کرنا انسانی زندگی کے مقاصد میں سے ایک ہے، کیا ان ہتھیاروں کا استعمال اس مقصد سے متصادم نہیں؟
- کیا عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آتا ہے کہ

....لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (البقرة: ۲۰۵)

''....وہ زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتیوں اور نسلوں کو تباہ کرنے (کی کوششوں میں لگ گیا)۔''

یا یہ آیتِ مبارکہ قتل کی مذمت میں اترنے والی آیات کی طرح صرف انہی افعال پر گرفت کر رہی ہے جو ناحق کیئے جائیں؟''

جواب: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ امّا بعد:

محترم بھائی!

آپ نے جو مسئلہ دریافت کیا ہے اس کی کما حقہٗ وضاحت کے لئے تو ایک مکمل کتاب درکار ہے جس میں اہلِ علم کے اقوال اور دلائل جمع کیئے جائیں اور ''دارالحرب''، ''حملہ آور دشمن کے خلاف دفاع کے وسائل''، ''دفاعی جہاد''، ''کھیتیوں اور نسلوں کی تباہی'' اور ایسی ہی دیگر شرعی اصطلاحات کے معنی اور ان سے متعلق علماء کی آراء درج کی جائیں۔ البتہ اس موضوع پر جو مواد بھی جمع کرنا میرے لئے ممکن ہو سکا، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔

میرے محترم بھائی!

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ''عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار'' کوئی دقیق

اور متعین اصطلاح نہیں۔ کفار جب یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو وہ اس سے صرف ایٹمی، کیمیائی یا حیاتیاتی ہتھیار ہی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی ملک ان ہتھیاروں کے ذریعے ایک ہزار افراد کو ہلاک کر ڈالے تو یہ لوگ اس پر برس پڑتے ہیں کہ اس نے ''بین الاقوامی قانون'' کی رو سے ''ممنوعہ ہتھیار'' استعمال کئے ہیں۔ اس کے برعکس اگر یہی ملک سات (۷) ٹن وزن تک کے حامل انتہائی تباہ کن میزائل استعمال کرے اور نتیجتاً تین چار ہزار افراد مارے جائیں تو ساری دنیا خاموش رہتی ہے، کیونکہ ایسے ہتھیاروں کا استعمال ''بین الاقوامی قانون'' کی رو سے ''جائز'' ہے!

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ چند کلو ''ٹی این ٹی'' بارود سے پھٹنے والی تباہی منجنیق کے گولے سے ہونے والے نقصان کے مقابلے میں ''عام تباہی'' ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح گزشتہ ادوار میں استعمال ہونے والے تیروں کے مقابلے میں راکٹ لانچر کے گولے کو ''عام تباہی پھیلانے والا ہتھیار'' ہی کہا جائے گا۔ ہم یہ بات بھی بخوبی جانتے ہیں کہ ان ممالک نے ''عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار'' کی اصطلاح محض اس لئے گھڑی ہے تاکہ باقی دنیا والوں کو خوفزدہ کیا جا سکے۔ ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے امریکہ نے عراق کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے اسرائیل پر حملہ کیا تو اس کے خلاف ''عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار'' استعمال کئے جائیں گے۔ آخر یہ کیسا قانون ہے جس کے تحت ان ہتھیاروں کا استعمال امریکہ اور دیگر کفار ممالک کے لئے تو مباح ہے لیکن مسلمانوں کے لئے قطعی طور پر حرام؟

اہلِ علم نے صراحتاً کہا ہے کہ اگر حملہ آور دشمن سے جان اور عزت بچانے کی واحد صورت یہی ہو کہ سب حملہ آوروں کو قتل کر دیا جائے تو ان سب کو قتل کرنا جائز ہوگا، خواہ یہ حملہ آور مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر حملہ آور مسلمانوں کے بارے میں شریعت کا مؤقف یہ ہے تو اس کافر حملہ آور سے کیا سلوک کیا جائے گا جو مسلمانوں کے دین، جان، عزت،

عقل اوران کی سرزمین، سب کچھ تباہ کرنے کے درپے ہو؟

پس اگر عام تباہی پھیلانے والے ذرائع استعمال کیئے بغیر مسلمانوں کو کفار سے بچانا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں ان ذرائع کا استعمال جائز ہوگا، چاہے اس کے نتیجے میں سارے کافر ہی کیوں نہ مارے جائیں اور چاہے ایسے اقدامات سے ان کی کھیتیاں اور نسلیں تباہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

میری یہ رائے سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، احادیثِ جہاد اور اہلِ علم کے اقوال ہی پر مبنی ہے۔ اس ضمن میں تفصیلی دلائل ان شاء اللہ میں اپنی کتاب میں ذکر کروں گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔''

چنانچہ اب فرصت میسر آنے پر، اس مسئلے کا تفصیلی جواب دینے کے لئے میں نے یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اس کتاب میں کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کی شرعی حیثیت پر چار ابواب میں گفتگو کی گئی ہے:

باب اوّل : اہم تمہیدی نکات

باب دوم : عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال کا جواز

باب سوم : زیرِ بحث مسئلے میں اہلِ علم کی آراء

باب چہارم : شبہات اوران کا رد

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب کو ہمارے لئے باعثِ نفع بنائے اور میری اس ادنیٰ سی کوشش کو لِوَجہِ اللّٰہ خالص کرلے۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ علی نبیّنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین.

باب اوّل

اہم تمہیدی نکات

کتاب کے ابتدائیے کے طور پر، میں تین اہم تمہیدی نکات کا ذکر کرنا چاہوں گا:

پہلا نکتہ:

''کسی چیز کو حرام قرار دینا انسانوں کا نہیں، محض اللہ کا حق ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ٥ (النحل: ۱۱۶)

''کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو۔ سمجھ لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔''

ابنِ کثیرؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کا رستہ اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے جو خود ہی چیزوں کو حلال وحرام قرار دے کر اپنی متفقہ آراء سے انہیں کوئی نام دے دیتے تھے، مثلاً: بحیرہ، وصیلہ، سائبہ، حام اور ایسی ہی دیگر (اصطلاحات) جو انہوں نے اپنے دورِ جاہلیت میں خود وضع کی تھیں اور اب وہ ان کے قانون کا حصہ بن چکی تھیں۔'' **(تفسیر ابنِ کثیرؒ: ۲۔۵۹۱)**

بلاشبہ دورِ جدید کے کفار کی طرف سے گھڑی گئی اصطلاحات بھی اس آیت کی لپیٹ میں آتی

ہیں، مثلاً کفار کا یہ کہنا کہ فلاں چیز:

''بین الاقوامی طور پہ ممنوع'' ہے۔

''بین الاقوامی قانون سے متصادم'' ہے۔

''انسانی حقوق کے چارٹر کی روشنی میں ناجائز'' ہے۔

''جنیوا معاہدات کی رو سے غلط'' ہے۔

اسی طرح بے شمار دیگر اصطلاحات، جو آج کل مغربی اثرات کی وجہ سے ہمارے معاشروں میں در آئی ہیں، یہ سب بھی مذکورہ بالا آیت کی لپیٹ میں آتی ہیں۔ عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کو''بین الاقوامی طور پہ ممنوع ہتھیاروں'' کا نام دینا بھی، کفار کی اسی مہم (حرب الاصطلاحات) کا ایک حصہ ہے۔

شریعتِ الٰہی کی نگاہ میں یہ تمام اصطلاحات بے وزن اور بے حقیقت ہیں، کیونکہ فرمانروائی اور قانون سازی کا حق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ (یوسف:۴۰)

''فرمانروائی کا حق صرف اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا یہ لوگ (اللہ کے) کچھ ایسے شریک رکھتے ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسے احکامِ دین مقرر کر دیئے ہیں جن کا اذن اللہ نے نہیں دیا۔''

سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف: ۵۴)

''یاد رکھو! مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم دینے کا حق بھی اسی کا۔''

یہ نکتہ مسلمانوں پر اتنا واضح ہے کہ اس کے لئے تفصیلی دلائل دینے کی ضرورت نہیں۔ دینِ اسلام کا یہ اہم اصول پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس نتیجے تک پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ ''بین الاقوامی طور پہ ممنوع ہتھیار'' کی اصطلاح مسلمانوں کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ ان کے نزدیک تو فیصلے کا مدار اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شریعت ہی پر ہے۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں ہم قرآن وسنت اور اہلِ علم کے اقوال کی روشنی میں، کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کی شرعی حیثیت کے بارے میں بحث کریں گے۔

میں اس موقع پر دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا:

پہلی بات تو یہ کہ کفار جب ''عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو وہ اس سے محض ایٹمی، حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیار ہی مراد لیتے ہیں اور ان ہتھیاروں کا معمولی سا استعمال بھی ان کی نگاہ میں ''بین الاقوامی قانون'' کی خلاف ورزی قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ملک روایتی ہتھیاروں کی صورت میں کئی ٹن دھماکہ خیز مواد استعمال کرے اور ہزارہا لوگوں کو مار ڈالے تو ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی کیونکہ ان ہتھیاروں کا استعمال ''بین الاقوامی قانون کی رو سے جائز'' ہے۔ اس کے برعکس جس اسلحے پر عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی اصطلاح چسپاں کی جاتی ہے، اس کا معمولی سا استعمال بھی جو محض چند سو لوگوں ہی کی ہلاکت کا باعث بنے، ''بین الاقوامی طور پہ ممنوع ہتھیاروں'' کا استعمال قرار پاتا ہے۔ یہ بات اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفار کے دعووں کے برعکس، ان اصطلاحات کا حقیقی مقصد انسانیت کا تحفظ نہیں بلکہ خود ان کا اپنا تحفظ ہے، اور یہ لوگ ان اصطلاحات کے ذریعے باقی دنیا کو قانونی پابندیوں میں جکڑ کر خود اسلحے کی ذخیرہ اندوزی جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو ممالک آج ان ہتھیاروں کا پھیلاؤ روکنے کے علمبردار بنے پھرتے ہیں، انھوں نے ہی سب سے پہلے یہ ہتھیار استعمال کئے تھے۔ برطانیہ نے پہلی جنگِ عظیم میں

عراق کے خلاف کیمیائی ہتھیار، جب کہ امریکہ نے دوسری جنگِ عظیم میں جاپان کے خلاف ایٹمی ہتھیار استعمال کئے تھے۔

دوسرا نکتہ:

''اصل اصول یہی ہے کہ قتل بھلے طریقے سے کیا جائے۔''

صحیح مسلمؒ میں حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ وَ اِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہُ فَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہُ .

(مسلم ،باب الأمر باحسان الذبح والقتل و تحديد الشفرة)

(اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں بھلائی فرض کی ہے، پس جب تم قتل کرو تو بھلے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو بھلے طریقے سے ذبح کرو، اور تم میں سے جو کوئی بھی ذبح کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ اپنی چھری کو تیز کر لے اور اپنے ذبیحے کو آرام دے)

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''بھلے طریقے سے قتل کرو'' ایک عام حکم ہے جس کی پابندی:

- جانوروں کی قربانی میں
- قصاصاً قتل کرنے میں
- حدود کے نفاذ میں
- اور ایسی ہی دیگر صورتوں میں بھی کی جائے گی۔

اس حدیث کا شمار ان جامع احادیث میں ہوتا ہے جن میں اسلام کے بنیادی اصول سمو

دیئے گئے ہیں۔‘‘

(شرح مسلم،۱۰۸/۱۳)

ابنِ رجبؒ فرماتے ہیں:

’’جن انسانوں اور جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے، انہیں بھلائی سے قتل کرنے سے مراد ہے:

تیز، آسان اور مؤثر ترین طریقے سے بغیر زیادہ تکلیف دیئے ان کی جان لینا، کیونکہ ایسی بے جا تکلیف دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کسی انسان کو قتل کرنے کا سب سے آسان (اور بہتر طریقہ) یہ ہے کہ تلوار کے ایک وار سے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ (محمد: ۴)

’’تو جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو گردنوں پر وار کرو۔‘‘

ایک اور مقام پہ ارشاد ہے:

سَاُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝(الأنفال: ۱۲)

’’میں ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں، سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔‘‘

(جامع العلوم والحکم، ص: ۱۵۳)

صحیح احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی سریّہ روانہ کرتے تو صحابہؓ سے فرماتے:

وَلَا تَمْثُلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا. (صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر، باب

تأمیرالامام الأمراء علی البعوث ووصیة ایاھم بآداب الغزو وغیرھا)
(مثلہ نہ کرواور نہ ہی کسی بچے کو قتل کرو)

اسی طرح سنن ابی داؤدؒ اور ابنِ ماجہؒ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَعُفَ النَّاسِ قَتْلَةً اَهْلُ الْاِيْمَانِ.
(قتل کے معاملے میں سب لوگوں سے زیادہ معاف کرنے والے اہلِ ایمان ہوتے ہیں)

نیز صحیح بخاریؒ میں حضرت عبداللہ بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ

نَهَى الرَّسُوْلُ ﷺ عَنِ الْمُثْلَةِ.
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا)

اسی مضمون کی حامل بہت سی دیگر احادیث بھی موجود ہیں جن سب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قتل کے معاملے میں اصل اصول یہی ہے کہ جسے قتل کرنا جائز ہو، اسے بھلائی کے ساتھ قتل کیا جائے اور بے جا تکلیف نہ دی جائے۔

لیکن یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ بعض حالات اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ انہی استثنائی صورتوں میں سے ایک کا ذکر تیسرے نکتے میں کیا جائے گا۔

تیسرا نکتہ:

”مقدورعلیہ اور غیر مقدورعلیہ فعل میں فرق ملحوظ رکھا جائے۔“

شریعتِ اسلامی کی عمارت جن ٹھوس بنیادوں پر کھڑی ہے ان میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ مقدُورعلیہ (یعنی جو کام انسان کے بس میں ہو) اور غیر مقدُورعلیہ (یعنی جو کام انسان کے بس میں نہ ہو) کے درمیان فرق ملحوظ رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک اسی پر دلالت کرتا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن:۱٦)

''پس جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔''

یہ ایک عمومی اصول ہے جو شریعت کے تمام مختلف ابواب میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، خواہ وہ عبادات سے متعلق مسائل ہوں یا معاملات سے متعلق۔ صحیح مسلمؒ میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

.....فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (صحیح مسلم: کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر)

(......پس جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس میں سے جتنا تمہارے بس میں ہو بجا لاؤ)

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''یہ (اصول) اسلام کی اہم ترین بنیادوں میں سے ایک ہے، اور ان 'جوامع الکلم' کا ایک نمونہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے تھے۔ اس اصول کے تحت ان گنت احکاماتِ شریعت آتے ہیں، مثلاً: نماز اور اس کی تمام اقسام۔ چنانچہ اگر کوئی شخص نماز کے بعض ارکان یا اس کی بعض شرائط ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ باقی ماندہ ارکان وشرائط (جو اس کے بس میں ہیں) ادا کرے گا۔ اسی طرح جو شخص اعضائے وضو یا اعضائے غسل دھونے کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ جسم کا اتنا حصّہ دھوئے گا جتنا اس کے لئے ممکن ہو۔'' (شرح صحیح مسلمؒ :۹ / ۱۰۳)

علماء نے مذکورہ بالا اور ایسی ہی دیگر آیات واحادیث سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ:

''لا واجب مع العجز، ولا محرم مع الضرورة.''

''قدرت نہ رکھنے کی صورت میں وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور اضطراری حالت میں حرمت باقی نہیں رہتی۔''

یہاں اس قاعدے کا تذکرہ کرنے سے مقصود، یہ یاد دلانا ہے کہ شریعت کے دیگر احکامات کی طرح جہاد سے متعلق احکامات میں بھی تمام واجبات حسبِ استطاعت ہی واجب ہیں۔ چنانچہ جب کسی حکم کو پورا کرنا استطاعت سے باہر ہو تو وہ واجب نہیں رہتا۔ لہٰذا:

۱۔ بھلے طریقے سے قتل کرنے کا حکم اسی صورت میں ہے جب ایسا کرنا ممکن ہو۔ لیکن اگر مجاہدین اس کی قدرت نہ رکھتے ہوں، مثلاً اگر وہ اضطراری حالت میں دشمن کو تباہ کرنے، جلا مارنے، پانی میں غرق کرنے یا ایسا ہی کوئی اور فعل کرنے پر مجبور ہو جائیں، تو ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا۔

۲۔ اسی طرح عورتوں اور بچوں کے قتل سے اجتناب کا حکم بھی اُسی صورت میں لاگو ہو گا جب انہیں بالغ مردوں سے علیحدہ پہچاننا ممکن ہو۔ لیکن اگر مجاہدین کے لئے یہ تمیز کرنا ممکن نہ رہے، مثلاً شب خون، چھاپہ مار کارروائی یا ایسی ہی دیگر صورتوں میں (جہاں عورتیں اور بچے مقاتلین کے ساتھ گھلے ملے ہوں)، تو انہیں بھی مقاتلین کے ساتھ ضمناً مار دینا جائز ہوگا۔

۳۔ اسی طرح عام حالات میں مسلمان کا قتل حرام اور ناجائز ہے۔ لیکن اگر مجاہدین کے لئے کفار کو پچھاڑنا یا ان سے جہاد کرنا مسلمان کی جان لئے بغیر ممکن نہ ہو تو پھر ایسا کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب کفار مسلمان قیدیوں کو اپنے سامنے بطور ڈھال استعمال کریں (اور انہیں مارے بغیر کفار کے لشکر کو نشانہ بنانا ممکن نہ ہو تو ایسے میں کفار کو مارنے کی نیت سے حملہ کرنا جائز ہے، خواہ نتیجتاً مسلمان بھی مارے جائیں)۔

یہی اصول جہاد کے دیگر مسائل پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ اس حوالے سے تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ آئندہ ابواب میں کی جائے گی۔

باب دوم

عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال کا جواز

تمہید

گزشتہ باب میں یہ بات تفصیلاً بیان کی جا چکی ہے کہ اصل اصول تو یہی ہے کہ قتل بھلے طریقے سے کیا جائے۔ کفار کو قتل کرنے کے معاملے میں بھی یہی اصول لاگو ہوتا ہے۔ لیکن اس اصول کی پابندی اسی وقت تک کی جائے گی جب تک مجاہدین ایسا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

بعض اوقات کفار کے مقابلے، اسلامی سرزمین کے دفاع اور دشمن کا شر روکنے کے لئے کفار پر عام تباہی مسلط کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ چنانچہ اگر ایسی صورت میں مجاہدین کے اہلِ حل وعقد یہ فیصلہ کریں کہ کفار کے شر سے نجات پانے کی واحد راہ عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا استعمال ہے، تو تجربہ کار مجاہدین کے مشورے کی روشنی میں ان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہوگا۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ اگر مجاہدین ایسے ہتھیار اور ذرائع استعمال کریں تو ان کی زد میں آنے والے تمام کفار مارے جائیں گے، خواہ وہ مقاتلین ہوں یا عورتیں اور بچے، عمارتیں تباہ ہوں گی اور زمینیں اور کھیتیاں جل جائیں گی۔ کفار کے ساتھ یہ سلوک کرنے کا جواز بہت سے دلائل سے ثابت ہے۔ یہ دلائل دو قسم کے ہیں۔

پہلی قسم: وہ مخصوص دلائل جو کسی متعین زمانے میں متعین دشمن سے متعلق ہو سکتے ہیں: مثلاً موجودہ زمانے میں امریکہ۔ امریکہ کے خلاف ان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہے اور یہ بات ثابت کرنے کے لئے عمومی جواز کے وہ دلائل دینے کی ضرورت قطعاً نہیں جن کا تذکرہ آگے

دوسری قسم کے تحت آ رہا ہے۔

امریکہ جیسے ممالک کے خلاف تو بس اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان بطور دلیل کافی ہے:

وَ اِن عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل:۱۲۶)

''اور اگر تم بدلہ لو، تو اتنا ہی لینا جتنی زیادتی تم پر کی گئی تھی۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرة: ۱۹۴)

''جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو اس نے کی ہے۔''

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا(الشوریٰ: ۴۰)

''اور برائی کا بدلہ اسی کے برابر کی برائی ہے۔''

اگر وہ سب مظالم جو امریکہ پچھلی کئی دہائیوں سے مسلمانوں پر توڑ رہا ہے، ہماری نگاہوں کے سامنے رہیں تو اس نتیجے تک پہنچتے دیر نہیں لگتی کہ امریکہ پر عام تباہی مسلط کرنے کیلئے محض ''معاملہ بالمثل'' (یعنی: زیادتی کے برابر بدلہ لینے) کا اصول ہی بطور دلیل کافی ہے، مزید دلائل کی ضرورت نہیں!

بعض بھائیوں نے امریکی اسلحے سے، بالواسطہ یا بلا واسطہ مارے جانے والے مسلمانوں کے اعداد و شمار جمع کیے ہیں۔ یہ تعداد تقریباً ایک کروڑ تک پہنچتی ہے۔ جب کہ امریکی بموں، میزائیلوں اور گولہ بارود سے بھسم ہونے والی مسلمانوں کی اراضی کا ٹھیک سے احاطہ کرنا تو اللہ کے سوا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ افغانستان اور عراق میں امریکہ نے جو تباہی پھیلائی اس کا حال بھی ہمارے سامنے ہی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد وہ بھی ہے جو امریکی حملوں کے نتیجے میں اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئی۔

چنانچہ اگر امریکیوں پر کوئی ایسا بم گرایا جائے جس سے ان کے ایک کروڑ لوگ مارے جائیں اور ان کی اتنی ہی زمینیں جل کر راکھ ہو جائیں جتنی انہوں نے مسلمانوں کی جلائیں، تو ایسا کرنا بالکل جائز ہوگا اور اس کے جواز کے لئے ''معاملہ بالمثل'' کے علاوہ مزید کوئی دلیل درکار نہیں۔ اضافی دلائل کی ضرورت تو تب پڑے گی اگر ہم اس تعداد سے زیادہ امریکی مارنا چاہیں!

دوسری قسم: وہ عمومی دلائل جو ایسے اقدامات کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں جب بھی جہاد فی سبیل اللہ اس کا تقاضا کرے؛ یعنی وہ آیات واحادیث جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی مجاہدین کے نزدیک ایسے ہتھیاروں کے استعمال میں مصلحت ہو، تو ان کا استعمال جائز ہے۔ اس ضمن میں بہت سے دلائل دینا ممکن ہے، مگر میں اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں تین ہی کا ذکر کروں گا:

پہلی دلیل

مشرکین پر شب خون مارنا جائز ہے، خواہ ان کی عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہی مارے جائیں

جو نصوص ایسے حملے کی اجازت دیتی ہیں ان میں سے ایک حضرت صعب بن جثامہؓ سے صحیحین میں مروی روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر مشرکین پر شب خون مارنے میں ان کی عورتیں اور بچے بھی قتل ہو جائیں (تو کیا یہ درست ہے)؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هُمْ مِّنْهُمْ (بخاری: كتاب الجهاد والسير، باب أهل الدار يبيتون فيصاب الولدان والذراری)

(وہ (عورتیں بچے) آخرانہی میں سے ہیں)

اسی طرح صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَغَارَ عَلٰی بَنِی الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَآرُّوْنَ وَ اَنْعَامُهُمْ تُسْقٰی عَلَی الْمَآءِ، فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَ سَبٰی ذَرَارِیَّهُمْ (بخاری: كتاب الرهن، باب فی العتق وفضله)

(نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر چھاپہ مارا جبکہ وہ غفلت کے عالم میں تھے اور ان کے جانوروں کو پانی پلایا جا رہا تھا۔ ان میں سے جو لوگ لڑنے والے تھے ان کو تو آپ نے قتل کر دیا وار عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا)

ایسی ہی ایک حدیث امام احمدؒ اور ابوداوٗدؒ نے بھی حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے روایت کی ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

اَمَّرَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبَا بَكْرٍ فَغَزَوْنَا نَاسًا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَبَيَّتْنَاهُمْ نَقْتُلُهُمْ وَكَانَ شِعَارُنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ: اَمِتْ اَمِتْ، قَالَ سَلْمَةُ: فَقَتَلْتُ بِيَدِیْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ سَبْعَةَ اَهْلِ اَبْيَاتٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سنن أبی داؤد: كتاب الجهاد، باب فی البيات)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو ہمارے لشکر کا امیر بنایا، پس ہم نے مشرکین سے جنگ کی، ان پر شب خون مارا اور ان کو قتل کیا، اس رات ہمارا خفیہ اشارہ 'اَمِتْ اَمِتْ' تھا۔ سلمہؓ فرماتے ہیں کہ اس رات میں نے اپنے ہاتھ سے سات گھروں کے مشرکوں کو قتل کیا) (۱)

---

(۱) اس حدیث کو ابنِ حبانؒ اور حاکمؒ نے صحیح کہا ہے، اس کی سند جیّد ہے۔ اسے عکرمہ بن عمار نے ایاس بن سلمہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے سنا ہے۔ یہ حدیث مسلمؒ کی شرائط پر پوری اترتی ہے۔

لیکن ان تمام احادیث کے ساتھ یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ

......**فَنَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ وَ الصِّبْيَانِ (صحیح مسلم: کتاب الجهاد و السیر، باب تحریم قتل النسآء و الصبیان فی الحرب)**

(......پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرما دیا)(۱)

اگر ہم ان ساری احادیث کو جمع کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دراصل جس بات سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی نیت سے ان پر حملہ کیا جائے۔ البتہ اگر وہ ضمناً مارے جائیں، مثلاً شب خون یا چھاپہ مار کارروائی کی صورت میں' یا جب ان میں اور مقاتلین میں تمیز کرنا ممکن نہ ہو' تو پھر انہیں قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ عورتوں اور بچوں کی موجودگی کی وجہ سے جہاد معطل نہیں کیا جا سکتا۔

امام بیہقیؒ نے حدیثِ صعب بن جثامہؓ کو اس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے:

''شب خون اور چھاپہ مار کارروائی کی صورت میں عورتوں اور بچوں کا بلا قصد قتل، نیز شب خون کے جواز کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث۔''(۲)

(السنن الکبریٰ: ۹/۷۸)

آپؒ نے اس باب میں حدیثِ صعبؓ ذکر کرنے کے بعد امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''ہمارے نزدیک عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت سے مراد' واللہ اعلم' یہ ہے کہ

---

(۱) اس ممانعت کی علّت عورتوں اور بچوں کا قتال میں حصہ نہ لینا ہے، پس اگر عورت یا بچہ کفار کے ساتھ مل کر لڑے تو اس کے خلاف بھی لڑا جائے گا۔ بیشتر اہلِ علم کی یہی رائے ہے۔

(۲) اس باب میں امام بیہقیؒ نے مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ بھی متعدد ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن سے دشمن پر شب خون مارنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، مثلاً حدیثِ غزوۂ خیبر، ابن ابی الحقیق اور کعب بن اشرف کے قتل کا قصہ وغیرہ۔ یہ تمام احادیث صحیحین میں موجود ہیں اور امام شافعیؒ نے بھی 'کتاب الأم' میں ان احادیث سے استدلال کیا ہے۔ دیکھئے: **کتاب الأم: ۴/۲۳۹**۔

جب عورتوں اور بچوں کو ان لوگوں سے علیحدہ پہچاننا ممکن ہو جنہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو انہیں جان بوجھ کر نشانہ نہ بنایا جائے۔ نیز آپؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان 'هُمْ مِّنْهُمْ' یعنی 'وہ (عورتیں اور بچے) بھی انہی میں سے ہیں' اس سے مراد یہ ہے کہ اُن عورتوں اور بچوں میں (جو بالغ کافر مردوں کے ساتھ ضمناً مارے جا رہے ہیں) دو ایسی صفات پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ان کا قتل جائز ہے:

نہ تو وہ حالتِ ایمان میں ہیں کہ ان کا خون بہانا منع ہو، نہ ہی ان کی بستی دار الایمان ہے کہ جس پر چھاپہ مارنا ممنوع ہو۔''

(امام شافعیؒ کا یہ قول دیکھنے کیلئے رجوع کیجئے: الرسالة، ص۲۹۹)

امام احمدؒ 'المغني' میں فرماتے ہیں:

''شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں، کیا روم پر حملہ شب خون کے سوا بھی کچھ تھا؟'' نیز آپؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ'' ہمارے علم میں نہیں کہ کسی نے دشمن پر شب خون مارنے کو ناپسند کیا ہو۔'' (المغني: ۲۳۰/۹)

امام طحاویؒ عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کے حوالے سے متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد شب خون سے متعلق حدیثِ صعبؓ بن جثامہ نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو چھاپہ مار کارروائیوں سے منع نہیں فرمایا، حالانکہ ایسا کرنے میں انؓ کے ہاتھوں وہ عورتیں اور بچے بھی مارے جاتے تھے جنہیں قصداً قتل کرنا منع ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس چیز کی اجازت اس حدیث میں دی گئی ہے وہ اس سے مختلف ہے جس سے گزشتہ احادیث میں منع فرمایا گیا۔ گزشتہ احادیث میں عورتوں اور بچوں کو قصداً قتل کرنے سے منع فرمایا گیا تھا، جبکہ اس حدیث میں باقی مشرکین کو قصداً نشانہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے، خواہ ان کو مارنے میں ایسے لوگ بھی ساتھ ہی مارے جائیں جن کو قصداً نشانہ بنانا جائز نہیں۔ اسی تشریح کے ذریعے

ان احادیث کا ظاہری تضاد دور ہوتا ہے اور سب احادیث اپنی اپنی جگہ صحیح مانی جاسکتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن پر چھاپے مارنے کا حکم دیا اور یہ بات بھی متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دشمنوں پر چھاپے مارے۔ ہم نے ''جنگ سے پہلے دعوت دینے کے باب'' میں ایسی کئی احادیث ذکر کی ہیں۔ مگر ہمارے علم کے مطابق ان تمام مواقع پر عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آڑے نہیں آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ممانعت کے باوجود صحابہؓ کو حملہ کرنے کی اجازت دی، کیونکہ ان کی نیت عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی بجائے کچھ اور تھی۔ اس بات سے حدیثِ صعبؓ سے متعلق میری رائے کی تائید بھی ہوتی ہے،......پس ہمارے لئے دشمن کے خلاف قتال کرنا جائز ٹھہرایا گیا ہے، جبکہ ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام۔ لہٰذا جنہیں قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے انہیں قصداً نشانہ بنانا حرام ہے اور جنہیں قتل کرنے کی اجازت دی گئی ہے انہیں قصداً نشانہ بنانا حلال ہے، خواہ نتیجتاً ایسے لوگ بھی ساتھ ہی مارے جائیں جنہیں مارنا اصلاً حرام ہے۔ نیز ایسی صورت میں ہمیں کوئی ضمان (یعنی قتل کا مالی معاوضہ) نہیں ادا کرنا ہوگا۔''

(شرح معانی الآثار: ۱۲۲/۳)

چنانچہ زیرِ بحث مسئلے میں بھی یہی اصول لاگو ہوگا۔ یعنی اگر مجاہدین اس نتیجے پر پہنچیں کہ عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار استعمال کئے بغیر کفار کے شر سے نجات پانا ممکن نہیں، تو ان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہوگا، خواہ ایسا کرنے سے سب کفار مارے جائیں (یعنی وہ جنہیں قصداً مارنا جائز ہے اور ضمناً وہ بھی جنہیں مارنا اصلاً حرام ہے)۔

دوسری دلیل

دشمن کی سرزمین کو جلا ڈالنا جائز ہے

جن نصوص سے دشمن کی سرزمین کو جلا ڈالنے کا جواز ثابت ہوتا ہے ان میں سے ایک صحیحین میں مذکور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت ہے:

حَرَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَخْلَ بَنِی النَّضِیْرِ وَقَطَعَ (صحیح البخاری: کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر)

(رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درخت جلا دیئے اور انہیں کاٹ ڈالا)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اسی واقع کے متعلق نازل ہوا تھا:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰی اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (الحشر: ۵)

''تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا یہ سب اللہ کے اذن سے تھا۔''

صحیحین کی بعض روایات میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جلائی جانے والی زمین کا نام ''اَلْبُوَیْرَة'' تھا۔ اسی حوالے سے حضرت حسّان بن ثابتؓ نے یہ شعر کہا ہے:

فهان علی سراة بنی لؤی

حریق بالبویرة مستطیر

بنی لوئی کے شرفاء کے لئے بہت آسان ہو گیا

کہ وہ بویرہ میں ہر سمت آگ لگا دیں

اسی موضوع سے متعلق ایک اور حدیث امام احمدؒ، ابو داؤدؒ اور ابنِ ماجہؒ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں '' اُبْـنٰی'' یا'' یُبْـنٰی'' نامی سرزمین کی

طرف بھیجا اور فرمایا:

اِئْتِهَا صَبَاحًا ثُمَّ حَرِّقْ (مسند أحمد: مسند الأنصار، حديث أسامة بن زيدؓ حب رسول اللهﷺ)

(صبح وہاں جاؤ، پھر اسے جلا ڈالو)(۱)

پہلی حدیث ہمیں وہ بنیادی اصول فراہم کرتی ہے جس سے دشمن کی زمین کو جلا ڈالنے کا جواز ملتا ہے۔امام بخاریؒ نے اس حدیث کے باب کا عنوان: ''گھروں اور کھجور کے درختوں کو جلانا'' رکھا ہے۔عموماً ائمہ حدیث نے اس حدیث کو ایسے ہی عنوانات کے تحت ذکر کیا ہے۔(۲)

امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اہلِ علم کے ایک گروہ نے اس حدیث کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک (کفار کے) درخت کاٹنے اور قلعے تباہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔جبکہ بعض علماء نے اسے ناپسند کیا ہے، اور یہ امام اوزاعیؒ کی رائے ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ:حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یزید کو پھل دار درخت کاٹنے اور آبادیاں تباہ کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس کے بعد سے مسلمانوں نے اسی حکم پر عمل کیا۔''(۳)

---

(۱)حديث صحيح، كما أخرجه الشيخ شعيب الأرنووط فى الموسوعة الحديثية، الجزء السادس والثلاثون، ولكن السند الذى ذكره المؤلف هنا فيه نظر .(مترجم)

(۲)سنن ابی داؤدؒ میں اس باب کا عنوان ہے:''دشمن کی سرزمین کو آگ لگانا''،ترمذیؒ شریف کے باب کا عنوان ہے:''جلانا اور تباہ و برباد کرنا''،سنن ابنِ ماجہؒ کے باب کا عنوان ہے:''دشمن کی سرزمین کو آگ لگانا'' اور امام بیہقیؒ نے یہ حدیث اس باب کے تحت ذکر کی ہے:''درخت کاٹنا اور عمارتوں کو آگ لگانا۔''

(۳) امام شافعیؒ ''كتاب الأم''، میں امام اوزاعیؒ کی اس رائے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں ہمارا گمان یہ ہے کہ چونکہ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شام

اس کے برعکس امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''دشمن کی سرزمین کے اندر آگ لگانے اور (ان کے) درخت اور پھل کاٹ دینے میں کوئی حرج نہیں۔''

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

عین ممکن ہے کہ بعض مواقع پر آگ لگانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو، البتہ بلا وجہ آگ لگانا درست نہیں۔

اسحاقؒ فرماتے ہیں:

آگ لگانا سنت ہے، جب ایسا کرنا دشمن کے لئے زیادہ نقصان دہ ہو۔''

حافظ ابنِ حجرؒ حدیثِ ابنِ عمرؓ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''جمہور علماء دشمن کے علاقے میں آگ لگانے اور تباہی مچانے کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ امام اوزاعیؒ، لیثؒ اور ابوثورؒ نے اسے ناپسند کیا ہے۔ یہ حضرات حضرت ابوبکرؓ کی ان ہدایات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں آپؓ نے اپنی افواج کو ایسا کرنے منع فرمایا

فتح ہونے کی خوشخبری سن چکے تھے' لہٰذا آپؓ کو فتح کا یقین تھا، اسی لئے آپ نے آبادیاں تباہ کرنے اور پھل دار درخت کاٹنے سے منع فرمادیا تا کہ یہ سب چیزیں فتح کے بعد (صحیح سالم) مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں۔ آپؓ نے اس بنا پر منع نہیں فرمایا تھا کہ آپ ایسا کرنے کو حرام سمجھتے تھے۔ آپؓ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنی نضیر، خیبر اور طائف کے غزوات میں موجود تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی زمینوں کو جلوایا تھا۔ لہٰذا حضرت ابوبکرؓ کے قول سے استدلال کرنے والوں نے اس سے غلط استدلال کیا ہے اور آخری حجت بہرحال اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کے متعلق نازل کیا گیا۔''

امام طبریؒ، حافظ ابنِ حجرؒ، ابنِ عربیؒ اور امام شوکانیؒ وغیرہ نے بھی امام اوزاعیؒ کی اس رائے کے خلاف دلائل دیے ہیں۔

تھا۔امام طبریؒ اس رائے کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (آگ لگانے اور تباہی مچانے کی) ممانعت سے مقصود قصداً ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔البتہ اگرلڑائی کے دوران ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے) طائف والوں کے خلاف منجنیق کے استعمال سے ہوا۔طبریؒ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کے حوالے سے بھی ایسا ہی جواب دیا ہے، اور اہلِ علم کی اکثریت کی رائے یہی ہے۔اسی طرح پانی میں ڈبو کر قتل کرنے کے حوالے سے بھی آپؒ نے ایسی ہی رائے کا اظہار کیا ہے۔کچھ اور علماء نے (امام اوزاعیؒ وغیرہ کی رائے کو رد کرتے ہوئے) کہا ہے کہ: حضرت ابو بکرؓ نے اپنی فوجوں کو اس لئے منع فرمایا تھا کیونکہ آپؓ جان گئے تھے کہ وہ علاقے عنقریب فتح ہو جائیں گے، لہٰذا آپؓ نے چاہا کہ وہ مال صحیح سلامت مسلمانوں کے قبضے میں آجائے ،واللہ اعلم ۔'' (فتح الباری:۱۵۵/۶)

امام عینیؒ حدیثِ ابنِ عمرؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''حدیث ابن عمرؓ دال علی أن للمسلمین أن یکیدوا عدوھم من المشرکین بکل ما فیه تضعیف شوکتھم، وتوھین کیدھم، وتسھیل الوصول الی الظفر بھم؛ من قطع ثمارھم، وتغویر میاھھم، والتضییق علیھم بالحصار، وممن أجاز ذلک الکوفیون ومالک والشافعی وأحمد واسحاق والثوری وابن القاسم ، وقال الکوفیون: یحرق شجرھم، وتحرق بلادھم، وتذبح الأنعام و تعرقب اذا لم یمکن اخراجھا''اھـ۔

''حدیثِ ابنِ عمرؓ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان اپنے مشرک دشمنوں کے خلاف ہر وہ حربہ استعمال کر سکتے ہیں جس سے ان کی شوکت وقوت کمزور پڑے، ان کی چالیں ناکام ہوں اور ان پر فتح حاصل ہو۔ مثلاً: ان کے پھل کاٹنا، ان کے کنوئیں خشک کرنا اور محاصرے کے ذریعے انہیں تنگی میں مبتلا کرنا۔احناف ،امام مالکؒ ،امام شافعیؒ ،امام احمدؒ ،

اسحاقؒ، ثوریؒ اور ابنِ قاسمؒ نے ایسا کرنے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ احناف تو یہ بھی کہتے ہیں کہ: ان کے درخت جلائے جائیں گے، ان کے علاقے تباہ کئے جائیں گے، ان کے جانور ذبح کردئے جائیں گے اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالی جائیں گی جبکہ انہیں ساتھ لے جانا ممکن نہ ہو۔'' (عمدۃ القاری: ۲۷۰/۱۴)

یہ حدیث اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اگر جنگ کا تقاضا ہو تو دشمن کے علاقے کو آگ لگانا جائز ہے۔

تیسری دلیل

دشمن کے خلاف منجنیق اور عام تباہی پھیلانے والے دیگر ذرائع کا استعمال کرنا جائز ہے

امام ابوداوٗدؒ نے اپنی مراسیل میں یہ مرسل روایت نقل کی ہے کہ

......**اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَصَبَ الْمَنْجَنِیْقَ عَلٰی اَھْلِ الطَّائِفِ (أیضًا في الترمذی: کتاب الأدب، باب ماجاء فی الأخذ من اللحیة)**

(......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کے خلاف منجنیق نصب کی)(۱)

اسی طرح بیہقیؒ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق روایت کیا ہے کہ آپؓ نے اہلِ اسکندریہ

---

(۱) یہی حدیث عقیلیؒ اور بیہقیؒ نے موصولاً روایت کی ہے، لیکن ان روایات کا موصول ہونا محلِ نظر ہے۔ مجد بن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو درج ذیل عنوان کے تحت ذکر کیا ہے: ''کفار پر شب خون مارنے اور منجنیق کے گولے برسانے کا جواز، خواہ ان کے بچے بھی ضمناً مارے جائیں۔''

کے خلاف منجنیق استعمال کی۔ بیہقیؒ ہی نے فتحِ قیساریہ کے حوالے سے حضرت یزید بن ابی حبیبؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''وہ لوگ (یعنی مسلمان سپاہ) قیساریہ پر روزانہ ساٹھ منجنیقوں سے گولہ باری کرتے تھے۔''

یہ معرکہ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانے میں پیش آیا تھا۔ اس کے بعد بھی مسلمان مختلف جنگوں میں منجنیق استعمال کرتے رہے۔ چنانچہ سعید بن منصورؒ، صفوان بن عمروؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں جنادہ بن ابی امیہ الازدی، عبداللہ بن قیس الفزاری اور آپؓ کے دیگر بحری سپہ سالار اپنے دشمنوں، خصوصاً رومیوں پر آگ برسا کر انہیں جلا ڈالتے تھے۔ مسلمان اپنے دشمنوں کے خلاف اور دشمن مسلمانوں کے خلاف یہ حربہ استعمال کیا کرتے تھے۔''

پھر آپؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس کے بعد کے ادوار میں بھی مسلمانوں کا طرزِ عمل یہی رہا۔''

سعید بن منصورؒ نے علقمہؒ سے بھی روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے دور میں ایک جنگ میں شرکت کی اور (دیکھا کہ) مسلمان (دشمنوں پر) منجنیق کے گولے برساتے تھے۔

چنانچہ اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ دشمن کے خلاف منجنیق اور ایسے ہی دیگر ذرائع کا استعمال جائز ہے۔ اور یہ بات تو کسی سے پوشیدہ نہیں کہ منجنیق سے برسائے جانے والا پتھر عورتوں بچوں اور بالغ مردوں کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کر ڈالتا ہے۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مجاہدین کے اہل حل وعقد کے نزدیک کفار کے علاقوں کو تباہ کرنا اور کفار کو قتل کرنا تقاضائے جہاد ہو، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؛ کیونکہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اور ان کے بعد

کے ادوار میں) مسلمان، کفار کی آبادی پر منجنیق کے گولے برساتے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ علاقہ فتح ہو جاتا۔ مسلمانوں کو کبھی کفار کی جڑ کٹنے اور ان کے علاقے تباہ ہونے کے خدشے نے ایسا کرنے سے نہ روکا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب سوم

زیرِ بحث مسئلے کے متعلق اہلِ علم کی آراء

تمہید

اس باب میں مختلف مذاہبِ فقہ سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم کی آراء ذکر کی گئی ہیں۔ان آراء کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام فقہی مذاہب سے تعلق رکھنے والے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر دشمن کے علاقے تباہ کرنا اوران کی عمارتیں منہدم کرنا جہاد کا تقاضا ہو، تو ایسا کرنا جائز ہے۔ان آراء واقوال کے تذکرے سے پہلے میں چند باتیں ذہن نشین کرانا ضروری سمجھتا ہوں:

۱۔اہلِ علم کے جواقوال اس باب میں نقل کیے گئے ہیں ان کاتعلق ''اقدامی جہاد'' (جہاد الطلب) سے ہےاور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جوفعل اقدامی جہاد میں جائز ہو، وہ ''دفاعی جہاد'' میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہوتا ہے، کیونکہ دفاعی جہاد تمام علماء کے نزدیک عظیم تر اوراہم تر فریضہ ہے۔

۲۔مختلف فقہی مذاہب کے علماء کی آراء کا سرسری مطالعہ کرنے سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے مسلمانوں کے بعض طبقات میں پائی جانے والی معذرت خواہانہ سوچ دورِحاضر ہی کی پیداوار ہے۔اسلام اور فقہائے اسلام اس سوچ سے کلیۃً بری ہیں۔آپ کو ان علماء کی عبارتیں پڑھتے ہوئے کسی بھی مقام پر یہ بات نظر نہیں آئے گی کہ یہ کفار کو راضی اور مطمئن رکھنے کی کوشش میں رہتے تھے......نہ ہی آپ انہیں اسلام کو ''انسانی حقوق'' نامی کسی معیار کے مطابق ڈھالتے دیکھیں گے......نہ آپ انہیں دنیا کے سامنے

مسلمانوں کو ''امن پسند''، ''صلح جو'' قوم کے طور پر پیش کرتا پائیں گے!

ذرا ایک نگاہ ان کے اقوال پر تو ڈالئے:

''مشرکین کے قلعوں کو آگ سے جلا ڈالنے میں کوئی حرج نہیں''، نہ ہی ''انہیں پانی میں غرق کرنے''، ''ان کے کنوؤں کو زہر آلود کرنے'' یا ''ان کی آبادیوں کو تباہ اور منہدم کرنے'' میں کوئی مضائقہ ہے۔

ربّانی علماء کے زبان و قلم سے تو حق کا اظہار اسی طرح ہوتا ہے جب کہ معذرت خواہانہ سوچ رکھنے والے ان احکامات کو زبان پر لانے کے تصور ہی سے کانپ اٹھتے ہیں۔

۳۔علمائے سلف کی ان آراء سے عام تباہی پھیلانے والے ان ہتھیاروں کے استعمال کا جواز ثابت ہوتا ہے جو ان کے اپنے اپنے زمانوں میں پائے جاتے تھے اور جن کے سبب کفار اپنی عورتوں اور بچوں سمیت مارے جاتے تھے۔ بلکہ شافعیہ میں سے امام سیوطیؒ کی تحریر تو اس مسئلے میں نص کی سی حیثیت رکھتی ہے۔آپؒ فرماتے ہیں:

" نَصَبَ عَلَيُهِمُ الْمَنُجَنِيُقَ (رواه البيهقى)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کے خلاف منجنیق نصب کی)

وقيس به ما فى معناه مما يعم الاهلاک به.

(اس حدیث سے منجنیق کے استعمال کا جواز ثابت ہوتا ہے) جس پر ایسے ہی دیگر عام ہلاکت پھیلانے والے ذرائع کو بھی قیاس کیا جائے گا۔''

اس رائے کو بہت سے شافعی علماء نے درست قرار دیا ہے۔اس حوالے سے تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔اسی طرح ابنِ حجر الھیثمیؒ فرماتے ہیں:

...وقتلهم بما يعم.

''......کفار کو ایسے طریقے سے قتل کرنا (جائز ہے) جو عام ہلاکت پھیلانے کا باعث بنے۔''

یہ عبارت بھی اس مسئلے میں نص کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

۴۔ اہلِ علم کی ان آراء سے ''حیاتیاتی ہتھیاروں'' کے استعمال کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ بعض علماء نے تو صراحتاً لکھا ہے کہ کفار پر سانپ اور بچھو پھینکنا اور ان کے کنوؤں کو زہر آلود کرنا جائز ہے۔

۵۔ تمام علماء مذکورہ بالا باتوں پر بحیثیتِ مجموعی متفق ہیں، البتہ بعض تفصیلات میں اختلاف کا پایا جانا ممکن ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ یہ ضمنی اختلافات بھی ''اقدامی جہاد'' ہی کی حد تک ہیں، لہٰذا اگر کوئی ایسا (مختلف فیہ) فعل کر گزرنا جہاد کی ضرورت بن جائے تو اس صورت میں اختلاف پر قائم رہنا مناسب نہیں ہوگا۔

علمائے احناف کی آراء

ا۔ امام سرخسیؒ 'شرح السیر الکبیر' میں امام محمد بن الحسنؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قال: ولا بأس للمسلمين أن يحرقوا حصون المشركين بالنار، أو يغرقوها بالماء، وأن ينصبوا عليها المجانيق، وأن يقطعوا عنهم الماء، وأن يجعلوا في ماء هم الدم والعذرة والسم حتى يفسدوه عليهم، لأن أمرنا بقهرهم و كسر شوكتهم؛ وجميع ما ذكرنا من تدبير الحروب مما يحصل به كسر شوكتهم. فكان راجعا الى الامتثال، لا الى خلاف المأمور، ثم في هذا كله نيل من العدو، وهو سبب اكتساب الثواب، قال اللّٰه تعالى: (ولا ينالون من عدو نيلا الا كتب لهم به عمل صالح)، ولا يمتنع شيء من ذلک ما يكون

لـلـمسـلـمين فيهم من أسرى،أو مستأمنين،صغارا أو كبارا،نساء أو رجالا. وان علمنا ذلك؛ فانه لا طريق للتحرز عن اصابتهم مع امتثال الأمر بقهر المشركين،وما لا يستطاع الامتناع منه فهو عفو" اهـ.

"آپؒ نے فرمایا: مسلمانوں کے لئے مشرکین کے قلعے آگ سے جلا ڈالنے یا پانی میں غرق کرنے، ان کے خلاف منجنیق استعمال کرنے، مشرکین کا پانی کاٹ دینے اور اسے نا قابلِ استعمال بنانے کے لئے اس میں خون، انسانی فضلات یا زہر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ہمیں ان پر قابو پانے اور ان کی قوت وشوکت توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم نے جن جنگی تدبیروں کا تذکرہ یہاں کیا ہے ان کا مقصد بھی یہی ہے...... یعنی دشمن کی قوت وشوکت توڑنا۔ ان تدابیر کو اختیار کرنا احکاماتِ الٰہی کو بجالانا ہے نہ کہ ان کی خلاف ورزی کرنا۔

نیز یہ سب افعال دشمن سے انتقام لینے کا ذریعہ ہیں اور یہ چیز بھی باعثِ اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلاً اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ (التوبہ: ۱۲۰)

"(ایسا کبھی بھی نہ ہوگا کہ) وہ کسی دشمن سے (عداوتِ حق کا) انتقام لیں اور اس کے بدلے ان کے حق میں ایک نیک عمل نہ لکھا جائے۔"

مسلمان بچوں یا بڑوں، عورتوں یا مردوں کا بطور قیدی یا مستأمن دشمنوں کے درمیان پایا جانا بھی درج بالا تدبیریں اختیار کرنے میں مانع نہ ہوگا، چاہے ان کی وہاں موجودگی ہمارے علم میں ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ دشمنوں کا زور توڑنے کا حکم بھی پورا کیا جائے اور ان کے درمیان موجود مسلمانوں پر آنچ بھی نہ آئے، لہٰذا جس چیز سے بچنا ہماری استطاعت سے باہر ہو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔"

(شرح السیر الکبیر: ۱۴۶۷/۴)

۲۔امام سرخسیؒ 'المبسوط' میں لکھتے ہیں:

"ولابأس بارسال الماء الی مدینة أهل الحرب،واحراقهم بالنار،ورميهم بالمنجنيق،وان كان فيهم أطفال أوناس من المسلمين أوتجار"اھ۔

"اہلِ حرب کے شہر میں پانی چھوڑ نے ،انہیں آگ سے جلا ڈالنے اور ان پر منجنیق کے گولے برسانے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ ان کے درمیان بچے اور مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی موجود ہوں۔"

(المبسوط: ۶۵/۱۰)

۳۔امام کاسانیؒ 'بدائع الصنائع' میں فرماتے ہیں:

"ولا بأس باحراق حصونهم بالناروا غراق بالماء،وتخريبها وهدمها عليهم. ونصب المنجنيق عليها؛ لقوله تبارک وتعالیٰ:(يخربون بيوتهم بأيديهم وأيدي المؤمنين)،ولأن كل ذلک من باب القتال؛لما فيه من قهر العدو و كبتهم وغيظهم،ولأن حرمة الأموال لحرمة أربابها،ولاحرمة لأنفسهم حتیٰ يقتلون، فكيف لأموالهم؟"اھ۔

"ان کے قلعوں کو آگ سے جلا ڈالنے، پانی میں غرق کر دینے، کفار سمیت تباہ اور منہدم کر دینے اور ان کے خلاف منجنیق استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے:

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِى الْمُؤْمِنِيْنَ (الحشر: ۲)

"وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر برباد کر رہے تھے اور مومنین کے ہاتھوں سے۔"

نیز (یہ سب افعال) اس لئے بھی (جائز ہیں) کہ ان کا تعلق قتال کے باب سے ہے جہاں مقصود ہی دشمنوں کا زور توڑنا، انہیں ذلیل کرنا اور غصہ دلانا ہوتا ہے......اور اس لئے بھی کہ مال کا احترام صاحبِ مال کے احترام کی وجہ سے ہوتا ہے، جب کہ کفار کی تو

اپنی جانیں بھی محترم نہیں، اسی لئے تو ان سے جنگ کی جاتی ہے، تو ان کے اموال بھلا کیسے محترم ہو سکتے ہیں؟''

(بدائع الصنائع: ۷/۱۰۱)

۴۔عبادیؒ 'الجوهرة النيرة' میں لکھتے ہیں:

''(فان أبوا استعانوا عليهم بالله تعالىٰ): لأنه هو ناصر لأوليائه والمدمر لأعدائه، قوله ـ أي الماتن ـ (ونصبوا عليهم المجانيق): أي ينصبونها على حصونهم و يهدمونها، كما نصبها النبي صلى الله عليه وسلم على أهل الطائف، قوله (وحرقوهم): لأن (النبي صلى الله عليه وسلم أحرق البويرة) هو موضع بقرب المدينة فيه نخل، قوله (و أرسلوا عليهم الماء وقطعوا شجرهم و أفسدوا زرعهم): لأن في ذلک كسر شوكتهم وتفريق جمعهم وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم حاصر بني النضير وأمر بقطع نخليهم وحاصر أهل الطائف و أمر بقطع كرومهم). قوله (ولا بأس برميهم وان كان فيهم مسلم أسير أو تاجر): يعنى بالنشاب والحجارة والمنجنيق؛ لأن في الرمي دفع الضرر العام بالذب عن جماعة المسلمين وقتل التاجر والأسير ضرر خاص''اهـ.

''**[پس اگر وہ اسلام لانے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو اللہ تعالیٰ سے ان کے مقابلے میں مدد طلب کی جائے گی]**(۱) کیونکہ وہی اپنے اولیاء کا مددگار اور اپنے دشمنوں کا تباہ کرنے والا ہے۔

---

(۱) اس باب اور آئندہ ابواب میں بین القوسین [ ] پائی جانے والی عبارات وہ متون ہیں جن کو نقل کر کے علماء نے اپنی تشریحات قوسین سے باہر درج کی ہیں۔(مترجم)

مصنف کے قول[**اوران کے خلاف منجنیق استعمال کی جائے**] سے مراد ہے کہ ان کے قلعوں کے خلاف منجنیق استعمال کر کے انہیں منہدم کر دیا جائے، جیسا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کے خلاف اسے استعمال کیا۔

مصنف کے قول[**اوران لوگوں کو جلا ڈالا جائے**] کی دلیل یہ ہے کہ [**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بویرۃ کو جلوایا تھا**] جو مدینہ کے قریب ایک مقام تھا جہاں یہودیوں کے کھجور کے باغات تھے۔

مصنف کا یہ کہنا کہ [**ان پر پانی چھوڑ دیا جائے اوران کے درخت کاٹ ڈالے جائیں اور ان کی فصلیں برباد کر دی جائیں**] اس لئے درست ہے کہ یہ اقدامات ان کی قوت و شوکت توڑنے اوران کی وحدت پارہ پارہ کرنے کا باعث ہیں۔

یہ بات تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ [**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا اوران کے کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا اوران کے باغات کاٹ ڈالنے کا حکم دیا**]۔

اسی طرح مصنف کے قول کہ [**اگران کے درمیان مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی پائے جاتے ہوں تب بھی ان پر اسلحہ برسانے میں کوئی حرج نہیں**] سے مقصود ایسی حالت میں بھی تیر، پتھر یا منجنیق کے گولے برسانے کو جائز قرار دینا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے 'ضررِ عام' دور ہوگا، یعنی مسلمانوں کا بحیثیتِ مجموعی تحفظ یقینی بنے گا۔ جب کہ تاجر یا قیدی کا مارا جانا 'ضررِ خاص' ہے۔(۱)''

(الجوھرۃ النیرۃ: ۲۵۸/۲)

---

(۱) فقہی اصول ہے کہ جب 'ضررِ عام' اور 'ضررِ خاص' میں سے کسی ایک کو اختیار کئے بغیر چارہ نہ ہو تو ضررِ خاص اختیار کیا جائے، کیونکہ اس صورت میں کم لوگ ضرر اٹھائیں گے۔ (مترجم)

علمائے مالکیہ کی آراء

ا۔امام ابنِ عربیؒ 'أحکام القرآن' میں فرماتے ہیں:

"اختلف الناس في تخریب دار العدو وحرقھاوقطع ثمارھا علی قولین (۱): الأول: أن ذلک جائز؛قاله فی المدونة.الثاني:ان علم المسلمون أن ذلک لھم لم یفعلوا.وان ییأسوا فعلوا؛ قاله مالک في الواضحة، وعلیه تناظر الشافعیة، والصحیح الأول.وقد علم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أن نخل بني قریظة له، ولکنه قطع وحرق لیکون ذلک نکایة لھم ووھنا فیھم،حتی یخرجوا عنھا، فاتلاف بعض المال لصلاح باقیه مصلحة جائزة شرعا مقصودة عقلا "اھـ.

"دشمن کی آبادیوں کو تباہ کرنے، انہیں آگ لگانے اور ان کے پھل کاٹنے کے بارے میں دوطرح کی آراء پائی جاتی ہیں:

ایک رائے کے مطابق ایسا کرنا (مطلقاً) جائز ہے۔ 'المدونة' میں یہی رائے مذکور ہے۔

دوسری رائے کے مطابق اگر مسلمانوں کو یقین ہو کہ وہ ان سب چیزوں پر قبضہ کرلیں گے تو انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے، البتہ اگر وہ فتح سے مایوس ہو جائیں تو ایسا کرلیں۔ (۱) امام مالکؒ نے 'الواضحة' میں یہی رائے ذکر کی ہے اور اسی پر آپؒ نے شافعیہ سے بحث بھی کی ہے۔

---

(۱) اس بات پر تو دونوں گروہ متفق ہیں کہ اگر مسلمانوں کا قبضہ ہوتا نظر نہ آ رہا ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اختلاف درحقیقت صرف اتنا سا ہے کہ ایک گروہ کہ نزدیک ایسا کرنا مطلقاً جائز ہے، جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک اگر مسلمانوں کی فتح کا یقین ہو تو ایسا کرنا درست نہیں۔

درحقیقت پہلی رائے ہی درست رائے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ بنی نضیر کے کھجور کے درختوں پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی انہیں کاٹا اور جلایا تاکہ دشمن اس سے عبرت پکڑیں، ہمت چھوڑ بیٹھیں اور علاقہ خالی کر دیں۔ مال کا کچھ حصہ تلف کر کے باقی مال بچا لینا ایک جائز شرعی مصلحت ہے اور عقل بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔''

(أحكام القرآن: ۱۷۶/۴)

۲۔ابنِ فرحونؒ 'تبصرة الحكام' میں لکھتے ہیں:

"مسألة: ويقاتل العدو بكل نوع، وبالنار ان لم يكن غيرها وخيف منهم، فان لم يخف فقولان.

مسألة: لم يختلف في رمي مراكبهم بالمنجنيق، وكذلك حصونهم، وان كان فيهم مسلمون"اهـ.

''مسئلہ: دشمن کے خلاف ہر قسم کی تدبیر استعمال کی جائے گی، اور اگر کوئی اور طریقہ نہ ہو اور دشمنوں (سے نقصان پہنچنے) کا خوف ہو، تو آگ بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر دشمنوں کا خوف نہ ہو تو ایسی حالت میں آگ استعمال کرنے کے حوالے سے دو مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

مسئلہ: کفار کی سواریوں اور قلعوں پر منجنیق کے گولے برسانے کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، اگرچہ ان کے درمیان مسلمان ہی کیوں نہ موجود ہوں۔''

(تبصرة الحكام: ۹۵/۲)

۳۔مواقؒ 'التاج والاكليل' میں فرماتے ہیں:

"ابن القاسم: لا بأس أن ترمى حصونهم بالمنجنيق، و يقطع عنهم الميرو

الـمـاء وان كـان فيهـم مسلمون أوذرية، وقاله أشهب.قال في المدونة:ولا بـأس بتـحريق قراهم وحصونهم، و تغريقها بالماء وحرابتها، وقطع الشجر المثمر،وغيره؛لقوله تعالیٰ:(ولا يطئون موطئا).(وقد قطع عليه السلام نخل بني النضير وأحرقها)''اهـ.

''ابن القاسمؒ فرماتے ہیں: کفار کے قلعوں پر منجنیق سے گولہ باری کرنے اور ان کی خوراک اور پانی روک دینے میں کوئی حرج نہیں،خواہ ان کے درمیان مسلمان یا چھوٹے بچے ہی کیوں نہ موجود ہوں۔یہی بات اشہبؒ نے بھی فرمائی ہے۔آپؒ 'المدونة' میں فرماتے ہیں: کفار کی بستیوں اور قلعوں کو آگ لگانے،غرقِ آب کرنے،ان میں تباہی مچانے،ان کے پھل دار درخت کاٹ ڈالنے اور ایسی ہی دیگر کارروائیاں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں،کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا (التوبه: ۱۲۰)

''اور وہ جو بھی قدم اٹھاتے ہیں......''

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بنی نضیر کے کھجور کے درخت کٹوائے اور جلوائے تھے۔''

(التاج والاكليل: ۴/۵۴۴)

۴۔الخرشیؒ 'شرح خليل' میں فرماتے ہیں:

''يـجـوز قتال العدو اذا لم يجيبوا الی ما دعوا اليه بجميع أنواع الحرب؛ فيـجوز قطع الماء عنهم ليموتوا بالعطش،أو يرسل عليهم ليموتوا بالغرق عـلی المشهور.أو يقتلوا بالآلة: كضرب بالسيف، وطعن بالرمح، و رمي بالمنجنيق، وما أشبه ذلک من آلات الحرب''اهـ.

''اگر دشمن اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کردیں جو انہیں دی گئی ہے تو ان کے خلاف

ہر قسم کی جنگ لڑنا جائز ہے۔ لہٰذا انہیں پیاسا مارنے کے لئے ان کا پانی کاٹ دینا، یا انہیں غرق کرنے کے لئے ان پر پانی چھوڑ دینا مشہور رائے کے مطابق جائز ہے۔ اسی طرح انہیں کسی آلے، مثلاً تلوار کی ضرب یا نیزے کی چوٹ یا منجنیق کے گولے یا ایسے ہی دیگر آلاتِ جنگ سے قتل کرنا بھی جائز ہے۔''

(شرح خلیل: ۱۱۳/۳)

علمائے شافعیہ کی آراء

ا۔ امام شافعیؒ 'کتاب الأم' میں فرماتے ہیں:

''واذا تحصن العدو في جبل أوحصن أوخندق أوبحسک أوبما يتحصن به فلا بأس أن يرموا بالمجانيق، والعرادات، والنيران، والعقارب، والحيات، وكل ما يكرهونه، وأن يبثقوا عليهم الماء ليغرقوهم، أو يوحلوهم فيه،وسواء كان معهم الأطفال والنساء والرهبان أولم يكونوا؛ لأن الدار غير ممنوعة باسلام ولا عهد، وكذالک لا بأس أن يحرقوا شجرهم المثمر،وغير المثمر،و يخربوا عامرهم. وكل ما لاروح فيه من أموالهم''اهـ.

''جب دشمن پہاڑ، قلعے، خندق، کانٹے دار جھاڑیوں یا کسی بھی محفوظ جگہ پناہ لے تو اس پر منجنیق یا عرّادۃ (۱) کے گولے، آگ، بچھو، سانپ اور تکلیف پہنچانے والی کوئی بھی چیز پھینکنا جائز ہے۔ اسی طرح انہیں غرق کرنے یا کیچڑ میں دھنسانے کے لئے ان پر پانی کھول دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اوران کے ساتھ عورتیں، بچے یا راہب ہونے یا نہ

---

(۱) قدیم زمانے میں پتھر برسانے کے لئے استعمال کیا جانے والا آلہ۔

ہونے سے فرق نہیں پڑتا، کیونکہ دشمن کے علاقے پر حملے سے روکنے والے عوامل، یعنی ان کا اسلام قبول کرنا یا ان سے معاہدہ طے پانا، دونوں غیر موجود ہیں۔ اسی طرح ان کے پھل دار یا بے پھل درخت جلانے، ان کی آبادیاں اور ان کا ہر غیر ذی روح مال برباد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

(کتاب الأم:۴/۲۵۷)

۲۔حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ 'فتح الباری' میں فرماتے ہیں:

''وقد ذهب الجمهور الى جواز التحريق والتخريب في بلاد العدو، وكرهه الأوزاعي والليث وأبو ثور، واحتجوا بوصية أبي بكرؓ لجيوشه أن لا يفعلوا شيئا من ذلک، وأجاب الطبري بأن النهي محمول على القصد لذلک بخلاف ما اذا أصابوا ذلک في خلال القتال، كما وقع في نصب المنجنيق على الطائف، وهو نحو ما أجاب به في النهي عن قتل النساء والصبيان، و بهذا قال أكثر أهل العلم، ونحو ذلک قتل بالتغريق. وقال غيره: انما نهى أبو بكر جيوشه عن ذلک لأنه علم أن تلک البلاد ستفتح فأراد ابقاء ها على المسلمين، والله أعلم'' اهـ.

''جمہور علماء دشمن کے علاقے میں آگ لگانے اور تباہی مچانے کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ امام اوزاعیؒ، لیثؒ اور ابو ثورؒ نے اسے ناپسند کیا ہے۔ یہ حضرات حضرت ابوبکرؓ کی ان ہدایات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں آپؓ نے اپنی افواج کو ایسے کسی بھی کام سے منع فرمایا تھا۔ امام طبریؒ اس رائے کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (آگ لگانے اور تباہی مچانے کی) ممانعت سے مقصود قصداً ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔ البتہ اگر لڑائی کے دوران ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے) طائف والوں کے خلاف منجنیق کے استعمال سے ہوا۔ طبریؒ نے عورتوں اور بچوں کے قتل

کے حوالے سے بھی ایسا ہی جواب دیا ہے، اوراہلِ علم کی اکثریت کی رائے یہی ہے۔اسی طرح پانی میں ڈبو کر قتل کرنے کے حوالے سے بھی آپؒ نے ایسی ہی رائے کا اظہار کیا ہے۔

کچھ اور علماء نے (امام اوزاعیؒ وغیرہ کی رائے کورد کرتے ہوئے) کہا ہے کہ: حضرت ابو بکرؓ نے اپنی افواج کو اس لئے منع فرمایا تھا کیونکہ آپؓ جان گئے تھے کہ وہ علاقے عنقریب فتح ہو جائیں گے، لہٰذا آپؓ نے چاہا کہ وہ مال صحیح سلامت مسلمانوں کے قبضے میں آجائے، واللہ اعلم۔''

(فتح الباری:۱۵۵/۶)

۳۔ابنِ حجر الهیثمیؒ 'تحفة المحتاج' میں فرماتے ہیں:

''(و يجوز حصار الكفار في البلاد والقلاع) وغيرها،(وارسال الماء عليهم) و قطعه عنهم،(ورميهم بنار والمنجنيق) وغيرهما،وان كان فيهم نساء و صبيان،و لو قدرنا عليهم بدون ذلك كما قاله البندنيجي و ان قال الزركشي الظاهر خلافه؛ وذلك لقوله تعالى(وخذوهم واحصروهم):ولأنه (صلى الله عليه وسلم حصر أهل الطائف و رماهم بالمنجنيق) رواه البيهقي وغيره...(وان كان فيهم مسلم) واحد فأكثر.(أسير أو تاجر جاز ذلك) أي احصارهم وقتلهم بما يعم، وتبييتهم في غفلة، وان علم قتل مسلم بذلك لكن يجب توقيه ما أمكن.(على المذهب) لئلا يعطلوا الجهاد علينا بحبس مسلم عندهم، نعم يكره ذلك حيث لم يضطر اليه،كأن لم يحصل الفتح الا به تحرزا من ايذاء المسلم ما أمكن مثله في ذلك الذمي ولا ضمان هنا في قتله؛ لأن الفرض أنه لم تعلم عينه''اهـ.

''[**کفار کوان کے علاقوں اور قلعوں میں محصور کرنا جائز ہے**](۱)اسی طرح انہیں کسی اور مقام پر بھی محصور کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

[**نیز ان پر پانی چھوڑ دینا**]، ان کا پانی کاٹ دینا، [**ان پر آگ یا منجنیق کے گولے برسانا**] اور دیگر ایسے افعال کرنا بھی درست ہے، خواہ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوں اور خواہ ہم یہ سب تدبیریں استعمال کئے بغیر بھی ان پر غلبہ پا سکتے ہوں، جیسا کہ بندنیجیؒ نے فرمایا ہے۔ گو کہ زرکشیؒ نے بظاہر اس رائے سے اختلاف کیا ہے، مگر [**درست رائے یہی ہے**] کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ (التوبة: ۵)

[**''ان (مشرکین کو) پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو......''**]

اور چونکہ:

حَصَرَ اَهْلَ الطَّائِفِ وَ رَمَاهُمْ بِالْمَنْجَنِيْقِ.

[**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا اور ان پر منجنیق سے گولہ باری کی**]

مندرجہ بالا حدیث کو بیہقیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

[**اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں**]، ایک یا ایک سے زیادہ، [**خواہ وہ قیدی ہوں یا تاجر، تو بھی ایسا کرنا جائز ہے**]، یعنی ان کا محاصرہ کرنا، انہیں کسی ایسے ذریعے سے قتل کرنا جس سے عام ہلاکت پھیلے اور ان پر غفلت میں شبخون مارنا، خواہ ایسا کرتے ہوئے اس بات کا علم ہو کہ مسلمان بھی ضمناً مارا جائے گا۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو، کفار کو مارتے ہوئے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

---

(۱) اس باب اور آئندہ ابواب میں بین القوسین [ ] پائی جانے والی عبارات وہ متون ہیں جن کو نقل کر کے علماء نے اپنی تشریحات قوسین سے باہر درج کی ہیں۔ (مترجم)

[اس مسئلے میں ہمارے مذہب کا مؤقف یہی ہے] تاکہ کفار کسی مسلمان کو اپنے قبضے میں لے کر جہاد کو معطل نہ کرسکیں۔ البتہ جب ہم یہ حربے استعمال کرنے پر مجبور نہ ہوں، مثلاً جب یہ سب کچھ کئے بغیر بھی فتح حاصل ہوسکتی ہو، تو ان کا استعمال مکروہ قرار پائے گا، تاکہ مسلمانوں کو حتی الامکان اذیت سے بچایا جاسکے۔ ایسا ہی حکم ذمی کے معاملے میں بھی ہے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ اس طرح مارے جانے والے مسلمان کے قتل پر کوئی معاوضہ (ضمان) نہیں ادا کیا جائے گا اور یہی بات فرض کی جائے گی کہ مارنے والا اس مسلمان کی وہاں موجودگی سے غافل تھا۔''

(تحفة المحتاج: ۲۴۲/۹)

۴۔ امام سیوطیؒ 'أسنى المطالب' میں فرماتے ہیں، (اصل متن زکریا انصاریؒ کا ہے اور اسے بین القوسین درج کیا گیا ہے):

''(و) يجوز (اتلافهم بالماء والنار) قال تعالى (وخذوهم و احصروهم)، و (حاصر صلى الله عليه وسلم أهل الطائف) رواه الشيخان،و (نصب عليهم المنجنيق) رواه البيهقي،وقيس به ما في معناه مما يعم الاهلاک به.''

''**[اور]** انہیں **[پانی یا آگ سے تلف کرنا]** جائز ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ (التوبة: ۵)

[''ان (مشرکین کو) پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو......'']

اور صحیحین کی روایت ہے کہ:

حَصَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَهْلَ الطَّائِفِ (صحيح المسلم: كتاب الجهاد والسير، باب غزوة الطائف)

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا]

اور بیہقیؒ کی روایت ہے کہ

وَ نَصَبَ عَلَيْهِمُ الْمَنْجَنِيْقَ

[اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر منجنیق نصب کی]

(اس حدیث سے منجنیق کے استعمال کا جواز ثابت ہوتا ہے) جس پر ایسے ہی دیگر عام ہلاکت پھیلانے والے ذرائع کو بھی قیاس کیا جائے گا۔'' (۱)

(أسنى المطالب:۱۹۱/۴)

علمائے حنابلہ کی آراء

۱۔امام ابنِ قدامہؒ 'المغني' میں فرماتے ہیں:

''مسألة : قال ۔ يعني الخرقي ۔ :(واذا حورب العدو،لم يحرقوا بالنار): أما العدو اذا قدر عليه فلا يجوز تحريقه بالنار بغير خلاف نعلمه، وقد كان أبو بكر الصديق رضي الله عنه يأمر بتحريق أهل الردة بالنار،وفعل ذلک خالد بن الوليد بأمره، فأما اليوم فلا أعلم فيه بين الناس خلافا ... فأما رميهم قبل أخذ هم بالنار،فان أمكن أخذهم بدونها، لم يجز رميهم بها؛لأنهم في معنى المقدور عليه.وأما عند عجز عنهم بغيرها، فجائز في قول أكثر أهل العلم، و به قال الثوري،والأوزاعي ،والشافعي...وكذلک الحكم في فتح البثوق

---

(۱) یہ عبارت ہمارے اس موضوع سے متعلق نص کی حیثیت رکھتی ہے۔فقہائے شافعیہ نے اسے بکثرت استعمال کیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے۔مثال کے طور پہ دیکھئے: (تحفة المحتاج : ۲۴۲/۹)، (مغنى المحتاج : ۳۱/٦)،(فتوحات الوهاب: ۱۹۵/۵)، (التجريد: ۲۵۴/۴)

علیهم،لیغرقهم، ان قدر علیهم بغیره،لم یجز،اذا تضمن ذلک اتلاف النساء والذرية، الذين يحرم اتلافهم قصدا، وان لم يقدرعليهم الا به، جاز كما يجوز البيات المتضمن لذلک.ويجوز نصب المنجنيق عليهم.و ظاهر كلام أحمدجوازه مع الحاجة وعدمها''اھـ.

''مسئلہ: خرقیؒ کا قول ہے کہ: **[جب دشمن سے جنگ کی جائے تو اسے آگ سے نہ جلایا جائے]**۔ جہاں تک ایسے دشمن کا تعلق ہے جس پر قابو پالیا گیا ہو، تو اسے آگ سے جلانا جائز نہیں۔ ہمارے علم میں نہیں کہ اس بارے میں کوئی اختلاف پایا جاتا ہو۔ یقیناً حضرت ابوبکرؓ مرتدوں کو آگ سے جلانے کا حکم دیتے تھے اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے آپؓ کے اس حکم پر عمل بھی کیا، مگر میرے علم میں نہیں کہ آج اس حوالے سے لوگوں میں کوئی اختلاف موجود ہو۔

البتہ جہاں تک دشمن پر قابو پانے سے پہلے ان پر آگ برسانے کا معاملہ ہے، تو اگر اس کے بغیر بھی انہیں پکڑ ناممکن ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں ان کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا جن پر قابو پالیا گیا ہو۔ لیکن اگر ان پر آگ برسانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو پھر ایسا کرنا جائز ہے۔ اکثر اہلِ علم کی یہی رائے ہے۔ امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام شافعیؒ نے یہی رائے اختیار کی ہے۔ اسی طرح اگر کفار کے درمیان ان کی عورتیں اور بچے موجود ہوں' جنہیں قصداً مارنا حرام ہے' اور کفار پر کسی اور طرح قابو پانا ممکن ہو، تو انہیں غرق کرنے کے لئے ان پر پانی کا ریلا کھول دینا جائز نہیں۔ لیکن اگر اس کے سوا ان پر قابو پانے کی کوئی صورت نہ ہو تو ایسا کرنا بھی جائز ہے، (بالکل اسی طرح) جیسے کفار پر شب خون مارنا جائز ہے (خواہ ان کی عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہی مارے جائیں)۔

نیز ان کے خلاف منجنیق کا استعمال بھی جائز ہے۔ امام احمدؒ کی رائے سے یہی ظاہر ہوتا ہے

کہ ضرورتاً اور بلاضرورت، دونوں صورتوں میں منجنیق کا استعمال درست ہے۔''

(المغني:۹/۲۳۰)

۲۔البہوتیؒ 'كشّاف القناع' میں لکھتے ہیں:

''(وكذا يجوز رميهم) أي:الكفار (بالنار،والحيات،والعقارب في كفات المجانيق، ويجوز تدخينهم في المطامير، و فتح الماء لغرقهم، و فتح حصونهم وعامرهم) أي: هدمها عليهم؛ لأنه في معنى التبييت (فاذا قدر عليهم لم يجز تحريقهم) لحديث (ان اللّٰه كتب الاحسان على كل شيء، فاذا قتلتم فأحسنوا القتلة،واذا ذبحتم فأحسنوا الذبحة)، ولقوله صلى اللّٰه عليه وسلم (فانه لا يعذب بالنار الارب النار) رواه أبوداود، وكان أبوبكر يأمربتحريق أهل الردة بالنار وفعله خالد بن الوليد بأمره''اهـ.

''**[اوراسی طرح جائز ہے کہ ان پر برسائے جائیں]** یعنی کفار پر، **[منجنیق کے ذریعے آگ، سانپ اور بچھو۔ نیز انہیں تہہ خانوں میں دھواں دینا، انہیں ڈبونے کے لئے پانی کھولنا اوران کے قلعوں اورآبادیوں کوتباہ کرنا]** یعنی کفار ہی پران کی عمارتیں گرا دینا جائز ہے، کیونکہ ایسا کرنا شب خون مارنے ہی کی مانند ہے۔ **[البتہ اگروہ قابو میں آجائیں تو انہیں جلانا درست نہیں]** کیونکہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَ اِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ (مسلم: كتاب الصيدوالذبائح، باب الأمر باحسان الذبح والقتل)

[اللہ تعالیٰ نے ہرکام میں بھلائی فرض کی ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو بھلے طریقے سے قتل کرواور جب تم ذبح کروتو بھلے طریقے سے ذبح کرو]

اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

فَاِنَّهُ لَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ.

(سنن أبی داؤد: كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار)

[یقیناً آگ کا عذاب نہیں دیتا سوائے اس کے جو آگ کا پیدا کرنے والا ہے]

حضرت ابوبکرؓ مرتدین کو آگ سے جلانے کا حکم دیا کرتے تھے اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے آپؓ کے حکم سے ایسا کیا بھی۔''

(كشّاف القناع: ۴۹/۳)

۳۔البہوتیؒ ہی 'شرح منتهى الارادات' میں فرماتے ہیں:

''(و) يجوز (رميهم) أي الكفار (بمنجنيق) نصا، لأنه صلى الله عليه وسلم (نصب المنجنيق على الطائف) رواه الترمذي مرسلا، ونصبه عمرو بن العاص على الاسكندرية، فظاهر كلام أحمد جوازه مع حاجة و عدمها. (و) يجوز رميهم(بنار،و) يجوز(قطع سابلة) أي طريق،(و) قطع (ماء) عنهم ، و(فتحه ليغرقهم)،و)يجوز(هدم عامرهم)،و ان تضمن اتلاف،نحو نساء و صبيان؛ لأنه في معنى التبييت''اهـ.

''**[اور]** کفار پر **[منجنیق کے گولے برسانا]** نص کی رو سے جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **[طائف پر منجنیق نصب کی]** 'ترمذیؒ نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے۔ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ کے خلاف منجنیق استعمال کی۔ پس امام احمد بن حنبلؒ کی رائے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا استعمال ضرورتاً اور بلاضرورت، دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ **[اور ان پر آگ]** پھینکنا جائز ہے، **[ان کا راستہ کاٹنا]** جائز ہے، ان کا **[پانی]** کاٹنا **[یا ان کو غرق کرنے کے لئے پانی کھول دینا]** جائز ہے اور **[ان کی آباد عمارتوں کو منہدم کرنا]** بھی جائز ہے' خواہ عورتیں اور بچے وغیرہ بھی ضمناً مارے جائیں،

کیونکہ یہ شب خون مارنے ہی کی مانند ہے۔''

(شرح منتهى الارادات:۱/۶۲۳)

۴۔الرحیبانیؒ 'مطالب أولي النهٰى' میں لکھتے ہیں:

"(و) يجوز (رميهم بمنجنيق) نصا (لأنه صلى الله عليه وسلم نصب منجنيق على الطائف) رواه الترمذي مرسلا. ونصبه عمرو بن العاصؓ على الاسكندرية، وظاهر كلام أحمد جوازه مع الحاجة وغيرها(و) يجوز رميهم (بنار و نحو عقرب)؛ كأفاعي (و تدخينهم بمطامر) وهي الهفيرة في الأرض. قاله في"القاموس"،(و) يجوز (قطع سابلة)،أي: طريقهم عنهم،(و) قطع (ماء) عنهم (و فتحه ليغرقهم، و) يجوز (هدم عامرهم)، وان تضمن اتلاف نحو نساء وصبيان اذا لم يقصدهم،لأنه في معنى التبييت"اهـ.

''اور **[ان پر منجنیق سے گولہ باری کرنا]** نص کی رو سے جائز ہے، کیونکہ ترمذیؒ نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ **[نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر منجنیق نصب کی]**۔اسی طرح حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ کے خلاف منجنیق استعمال کی اور امام احمدؒ کی رائے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا استعمال ضرورتاً اور بلاضرورت، دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

[نیز ان پر آگ، بچھو اور ایسی ہی دیگر چیزیں] مثلاً زہریلے سانپ وغیرہ **[برسانا]**، **[انہیں تہ خانوں میں دھواں دینا]**، **[ان کا راستہ کاٹنا]**، ان کا **[پانی]** کاٹنا اور **[انہیں غرق کرنے کے لئے ان پر پانی کھول دینا]** جائز ہے۔اسی طرح **[ان کی آباد عمارتوں کو منہدم کرنا بھی]** جائز ہے،خواہ عورتیں اور بچے بھی ضمناً مارے جائیں، کیونکہ یہ شب خون مارنے ہی کی مانند ہے۔البتہ عورتوں اور بچوں کو مارنے کی نیت سے حملہ نہ کیا جائے۔''

(مطالب أولي النهٰى:۲/۵۱۶)

علمائے ظاہریہ کی رائے

ا۔امام ابنِ حزمؒ 'المحلی' میں فرماتے ہیں:

"جائز تحريق أشجار المشركين،وأطعمهم،و زرعهم ودورهم وهدمها، قال الله تعالى:(ما قطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها فباذن الله وليخزي الفاسقين) وقال تعالى:(ولا يطئون موطئا يغيظ الكفارولا ينالون من عدو نيلا الا كتب لهم به عمل صالح)،وقد أحرق رسول الله صلى الله عليه وسلم نخل بنى النضير ــ وهي في طرف دور المدينة ــ وقد علم أنها تصير للمسلمين في يوم أوغده"اهــ.

"مشرکین کے درخت،ان کی خوراک،ان کی کھیتیاں اوران کی عمارتیں جلانا جائز ہے۔ اسی طرح ان کی عمارتیں منہدم کرنا بھی جائز ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِىَ الْفٰسِقِيْنَ ۝(الحشر:۵)

"تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا اوراس لئے بھی کہ اللہ فاسقوں کو رسوا کرے۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَا يَطَـئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ (التوبه:۱۲۰)

"(ایسا کبھی بھی نہ ہوگا کہ)وہ اس راہ پر کوئی قدم اٹھائیں جو منکرینِ حق کو ناگوار ہے اور کسی دشمن سے (عداوتِ حق کا) کوئی انتقام لیں اوراس کے بدلے ان کے حق میں ایک عملِ صالح نہ لکھا جائے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ کی بستی کے ایک جانب واقع بنی نضیر کے درخت جلوائے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ وہ آج نہیں تو کل مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گے۔''

(المحلیٰ: ۳۴۶/۵)

دیگر مجتہدین کی آراء

ا۔امام صنعانیؒ 'سبل السلام' میں فرماتے ہیں:

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال:(حرق رسول الله صلى الله عليه وسلم نخل بني نضير وقطع) متفق عليه:يدل على جواز افساد أموال أهل الحرب بالتحريق والقطع لمصلحة، وفي ذلک نزلت الآية (ما قطعتم من لينة) الآية، قال المشركون:انک تنهى عن الفساد في الأرض فما بال قطع الأشجارو تحريقها؟...وقد ذهب الجماهير الى جواز التحريق والتخريب في بلاد العدو، وكرهه الأوزاعي وأبو ثور واحتجا بأن أبا بكر وصى جيوشه أن لا يفعلوا ذلک، وأجيب بأنه رأى المصلحة في بقائها لأنه قد علم أنها تصير للمسلمين فأراد بقائها لهم،وذلک يدورعلى ملاحظة المصلحة" اهـ.

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

حَرَّقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ نَخْلَ بَنِی النَّضِیْرِ وَ قَطَعَ (صحيح البخارى: كتاب المغازى، باب حديث بنى النضير)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درخت جلا دیئے اور انہیں کاٹ دیا)

اس حدیث سے اہلِ حرب کا مال جلا کر برباد کرنے اور ان کی ضروریات منقطع کرنے کا

جواز ثابت ہوتا ہے۔ یہ آیتِ مبارکہ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (الحشر: ۵)

''تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا۔''

یہ آیت مشرکین کے اس اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی تھی کہ: (اے محمد!) تم تو زمین میں فساد پھیلانے سے منع کرتے ہو، پھر یہ درخت کاٹنا اور جلانا چہ معنی......؟

جمہور علماء کے نزدیک دشمن کے علاقے میں آگ لگانا اور تباہی مچانا جائز ہے، جبکہ امام اوزاعیؒ اور ابوثورؒ نے اسے ناپسند کیا ہے۔ یہ حضرات حضرت ابوبکرؓ کی ان ہدایات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں آپؓ نے اپنی افواج کو ایسا کرنے سے منع فرمایا تھا۔ (امام اوزاعیؒ اور ابوثورؒ کی) اس رائے کے جواب میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ یہ علاقے عنقریب مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں گے۔ لہٰذا آپؓ نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ وہاں موجود درخت وغیرہ صحیح سلامت مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں۔ چنانچہ (ممانعت کا) یہ حکم مصلحت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دیا جائے گا۔''

(سبل السلام:۵۱/۴)

۲۔امام شوکانیؒ 'نیل الأوطار' میں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سمیت کئی دیگر احادیث کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''والأحاديث المذكورة فيها دليل على جواز التحريق في بلاد العدو، قال في الفتح ـ ثم نقل كلام الحافظ السابق وأقره ـ ثم قال: ولا يخفى أن ما وقع من أبي بكرؓ لا يصلح لمعارضة ما ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم لما تقرر من عدم حجية قول الصحابي'' اهـ.

''مذکورہ احادیث سے دشمن کے علاقے میں آگ لگانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ حافظ

ابنِ حجرؒ 'فتح الباری' میں فرماتے ہیں......اس کے بعد آپؒ نے حافظ ابنِ حجرؒ کی پہلے دی گئی عبارت نقل کر کے اس کی تائید کی اور فرمایا:
یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت شدہ (اقوال وافعال) کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے مقابلے میں) قولِ صحابیؓ حجت کی حیثیت نہیں رکھتا۔''

(نيل الأوطار:۷۸/۸)

۳۔امام شوکانیؒ 'السيل الجرار' میں لکھتے ہیں:

''قد أمر اللّٰه بقتل المشركين،ولم يعين لنا الصفة التي يكون عليها، ولا أخذ علينا أن لا نفعل الا كذا دون كذا ،فلا مانع من قتلهم بكل سبب للقتل من رمي،أو تغريق،أو هدم،أو دفع من شاهق،أو نحو ذلک''اھـ.
''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔البتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کرنے کے لئے ہمیں کسی خاص طریقے کا پابند نہیں کیا اور نہ ہی انہیں قتل کرتے ہوئے بعض افعال کرنے اور بعض نہ کرنے کا حکم دیا۔ پس انہیں قتل کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنے میں کوئی شے مانع نہیں۔ لہٰذا ان پر (تیر یا منجنیق کا گولہ وغیرہ) برسا کر، (جسم میں) کوئی شے گھونپ کر، پانی میں غرق کر کے، عمارت منہدم کر کے، بلندی سے دھکا دے کر یا کوئی بھی اور ذریعہ استعمال کر کے مارنا جائز ہے۔(۱)''

(السيل الجرار:۵۳۴/۴)

---

(۱)اس کے بعد آپؒ نے دشمن کو جلا ڈالنے کی ممانعت کے حوالے سے خاص طور پر گفتگو کی ہے۔علماء کے ایک گروہ کے نزدیک اضطراری صورتحال کے علاوہ دشمن کو آگ لگا کر قتل کرنا حرام ہے۔البتہ جب اضطراری حالات ہوں،یعنی دشمن کو جلا ڈالے بغیر اس کے خلاف جہاد کرنا ممکن نہ ہو تو' جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' ایسی صورت میں تمام ہی علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔

باب چہارم

شبہات اور ان کا رد

تمہید

زیرِ بحث مسئلے سے متعلق دہرائے جانے والے نمایاں شبہات درج ذیل ہیں:

پہلا شبہہ: عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت۔

دوسرا شبہہ: زمین میں فساد کی حرمت۔

تیسرا شبہہ: عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال سے مسلمانوں کا جانی نقصان۔

میں آئندہ سطروں میں مختصراً ان تینوں شبہات کا جواب دوں گا۔

پہلا شبہہ:

عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت

معترضین کہتے ہیں کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ

اَنَّ امْرَاَةً وُجِدَتْ فِیْ بَعْضِ مَغَازِی النَّبِیِّ ﷺ مَقْتُوْلَةً فَاَنْکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَتْلَ النِّسَآءِ وَالصِّبْیَانِ. (صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر، قتل الصبیان فی الحرب)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غزوات میں مقتولہ عورت پائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا)

نیز صحیح مسلمؒ میں حضرت بریدہ بن الحصیبؓ سے روایت ہے کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلَى جَيْشٍ اَوْ سَرِيَّةٍ اَوْصَاهُ فِيْ خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَمَنْ مَّعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيرًا ثُمَّ قَالَ اغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اغْزُوْا وَ لَا تَغُلُّوْا وَ لَا تَغْدِرُوْا وَلَا تَمْثُلُوْا وَ لَا تَقْتُلُوْا وَلِيدًا (صحيح مسلم: كتاب الجهاد والسير، باب تأمير الامام الأمراء على البعوث ووصية اياهم بآداب الغزو وغيرها)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو لشکر یا سریّے پر امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اس کو اللہ سے ڈرنے اور اس کے ساتھ موجود مسلمانوں کو بھلائی کرنے کا حکم دیتے۔ پھر فرماتے: جہاد کرو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر، اللہ کی راہ میں لڑو اس سے جس نے اللہ سے کفر کیا، جہاد کرو اور غنیمت کے مال میں سے چوری نہ کرو اور وعدہ نہ توڑو اور مثلہ نہ کرو اور بچوں کو قتل مت کرو)

مذکورہ بالا احادیث اور ایسی ہی دیگر روایات عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں، جبکہ عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال سے عورتیں اور بچے بھی مارے جاتے ہیں؟!

جواب: کئی دیگر نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ چھاپہ مار کارروائی اور شب خون میں عورتوں اور بچوں کا قتل جائز ہے۔ اس حوالے سے حدیثِ صعب بن جثامہؓ پہلے گزر چکی ہے۔ ان دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرتے ہوئے علماء کہتے ہیں کہ عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت اس صورت میں ہے جب ان میں اور دیگر کفار میں تمیز کرنا ممکن ہو، البتہ جب ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو باقیوں کے ساتھ ان کا بھی ضمناً مارا جانا جائز ہے۔

ہم گزشتہ ابواب میں اہلِ علم کی آراء نقل کر چکے ہیں جن میں یہ بات وضاحت سے کہی گئی ہے کہ جب عورتوں، بچوں اور دیگر کفار میں تمیز کرنا ممکن نہ ہو تو ان کا قتل بھی جائز ہے۔ ہم نے امام شافعیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا تھا کہ:

''ہمارے نزدیک عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت سے مراد 'واللہ اعلم' یہ ہے کہ جب عورتوں اور بچوں کو ان لوگوں سے علیحدہ پہچاننا ممکن ہو جنہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو انہیں جان بوجھ کر نشانہ نہ بنایا جائے۔ نیز آپؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان 'هُمْ مِّنْهُمْ' یعنی 'وہ (عورتیں اور بچے) بھی انہیں میں سے ہیں' سے مراد یہ ہے کہ ان عورتوں اور بچوں میں (جو بالغ کافر مردوں میں گھلے ملے ہوئے ہیں) دو ایسی صفات پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ان کا قتل جائز ہے: نہ تو وہ حالتِ ایمان میں ہیں، کہ ان کا خون بہانا منع ہو، نہ ہی ان کی بستی دار الایمان ہے کہ اس پر چھاپہ مارنا ممنوع ہو(۱)۔'' **(الرسالۃ: ص۲۹۹)**

اب چونکہ یہ ممکن نہیں کہ عام تباہی پھیلانے والے ذرائع استعمال کرتے ہوئے عورتوں بچوں اور دیگر کفار میں تمیز کی جائے، لہٰذا اس کا شرعی حکم وہی ہوگا جو شب خون مارنے یا منجنیق سے گولہ باری کرنے کا ہے۔ ہم گزشتہ باب میں بھی دیکھ چکے ہیں کہ بعض اہلِ علم نے بڑی وضاحت سے یہ بات لکھی ہے کہ دشمن کو نقصان پہنچانے کے وہ تمام ذرائع جو عام ہلاکت پھیلانے کا سبب بنتے ہیں منجنیق پر قیاس کئے جائیں گے۔ مثلاً امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''وقيس به ما في معناه مما يعم الاهلاک به.''

''اور منجنیق ہی پر قیاس کئے جائیں گے اسی جیسے وہ دیگر ذرائع جو عام ہلاکت پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔'' **(أسنى المطالب: ۱۹۱/۴)**

---

(۱) دوسرے باب میں پہلی دلیل کے تحت ذکر کی گئی اہلِ علم کی آراء دیکھئے، نیز تیسرے باب میں مذکور اقوال بھی پڑھئے جہاں شب خون یا چھاپہ مارنے کے دوران اور منجنیق سے گولہ باری کے نتیجے میں عورتوں اور بچوں کے قتل کو صراحتاً جائز کہا گیا ہے۔

دوسرا شبہہ:

زمین میں فساد پھیلانے کی حرمت

معترضین کہتے ہیں کہ اس اسلحے کے استعمال سے زمین میں فساد پھیلے گا، کھیتیاں اور نسلیں تباہ ہوں گی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا (الاعراف: ٥٦)

''اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد۔''

ایک اور مقام پہ ارشاد ہے:

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡهَا وَیُهۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ٥ (البقرة: ٢٠٥)

''جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتیوں اور نسلوں کو برباد کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتے ہیں۔''

جواب: اس شبہے کا جواب دو طریقوں سے دیا جا سکتا ہے:

ا۔ اس شبہے کا تذکرہ سب سے پہلے یہودیوں نے کیا اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب قرآنِ مجید میں دے دیا۔ ابنِ اسحاقؒ 'السیرۃ' میں یزید بن رومانؒ سے اور ابوداؤد 'مراسیل' میں عبداللہ بن ابی بکرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی نضیر پہنچے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ان کے کھجور کے درخت کاٹے اور انہیں آگ لگا دی۔ جب یہودیوں نے درخت کٹتے اور جلتے دیکھے تو پکارنے لگے: 'اے محمد! آپ تو فساد پھیلانے سے منع کرتے تھے، پھر یہ کھجور کے درخت کاٹنا اور جلانا چہ معنی؟' اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ

آیت نازل فرمائی کہ:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ ......(سورة الحشر: ۵)

''تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے......''

۲۔ دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ تمام فقہاء اس اصول پر متفق ہیں کہ:

''**اذا تعارضت مفسدتان دفعت أعظمهما بارتكاب أدناهما.**''

''جب دو مفاسد میں سے ایک کو اختیار کئے بغیر چارہ نہ ہو تو کم تر مفسدے کا ارتکاب کر کے بڑے مفسدے سے بچا جائے گا۔''

چونکہ تمام فقہاء کے نزدیک کفار کا اپنے کفر پر قائم رہنا اور اسلامی حکومت کے تحت نہ آنا، ان کے علاقوں کے تباہ و برباد ہو جانے سے زیادہ بڑا مفسدہ ہے، لہٰذا فقہاء کی آراء اس نکتے پر متفق ہیں کہ جب مجاہدین کے پاس کفار پر غالب آنے کے لئے کوئی ایسا حربہ استعمال کئے بغیر چارہ نہ ہو جس سے ان کی عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہی مارے جائیں، تو ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ ہاں البتہ عام حالات میں عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کا حکم اپنی جگہ برقرار رہے گا۔ یہ حکم اقدامی جہاد سے متعلق ہے اور اس حوالے سے اہلِ علم کی آراء ہم تیسرے باب میں نقل کر چکے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کفار کا محض اپنے کفر پر قائم رہنا ان کی بستیوں کی تباہی سے زیادہ بڑا مفسدہ ہے، تو شریعت کا ایسے کفار کے بارے میں کیا مؤقف ہوگا جو نہ صرف اپنے کفر پر قائم ہوں بلکہ مسلمانوں کے علاقوں، ان کے دین، ان کی عزت اور ان کے جان و مال کے بھی درپے ہوں؟!

اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ دفاعی جہاد کی فرضیت اقدامی جہاد سے کہیں بڑھ کر ہے، لہٰذا جو فعل اقدامی جہاد میں جائز ہو وہ دفاعی جہاد میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''**وأما قتال الدفع فهو أشد أنواع دفع الصائل عن الحرمة والدين فواجب**

اجماعاً، فالعدو الصائل الذی یفسد الدین والدنیا لا شیء أوجب بعد الایمان من دفعه، فلا یشترط له شرط بل یدفع بحسب الامکان، وقد نص علی ذلک العلماء أصحابنا وغیرھم ''اھـ.

''دفاعی قتال حرمتوں اور دین پر حملہ آور ہونے والے دشمن کو پچھاڑنے کا سب سے مؤثر طریقہ ہے اور اسی لئے اس کے فرض ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ ایمان لانے کے بعد سب سے اہم فریضہ دین و دنیا کو برباد کرنے والے حملہ آور دشمن کو پچھاڑنا ہے۔ اس کی فرضیت کے لئے کوئی شرائط نہیں بلکہ اسے پچھاڑنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ یہ بات علماء نے صراحتاً کہی ہے، خواہ وہ ہمارے مذہبِ فقہی کے علماء ہوں، یا دیگر فقہی مذاہب کے۔'' (الفتاوٰی الکبرٰی: ۵۲۰/۴)

تیسرا شبہہ:

عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال سے مسلمانوں کا جانی نقصان

معترضین کہتے ہیں کہ کفار کے علاقوں میں عموماً مسلمان بھی پائے جاتے ہیں، خواہ وہ تاجر ہوں یا سیاح، مقیم ہوں یا مسافر، یا کسی اور وجہ سے وہاں موجود ہوں...... اور عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال سے وہ بھی لامحالہ مارے جائیں گے، جبکہ اس بات پر تو امت کا اجماع ہے کہ مسلمان کا خون بہانا حرام ہے۔ نیز ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْھُمْ اَنْ تَطَئُوْھُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْھُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا٥ (الفتح: ۲۵)

''اوراگرایسے بہت سے مسلمان مرداور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کوخبر نہ تھی اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم بے خبری میں انہیں پامال کردوگےاوراس سےتم پرحرف آئے گا،توجنگ نہ روکی جاتی،(لیکن وہ روک دی گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔اوراگر یہ الگ الگ ہوتے توان میں سے جوکافر تھےہم ان کودردناک سزا دیتے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو(فتح کے موقع پر) مکہ میں قتال نہیں کرنے دیا، کیونکہ وہاں موجودمسلمان کافروں میں گھلے ملے ہوئے تھےاورقتال کی صورت میں مسلمانوں کے بھی مارے جانے کاخوف تھا۔

جواب:اس اعتراض کاجواب تین مختلف پہلوؤں سے دیا جاسکتا ہے:

اولاً......امام اوزاعیؒ وغیرہ نے مذکورہ بالاآیت کودلیل بناتے ہوئے یہ مؤقف اختیارکیاہے کہ اگرکفارکے درمیان مسلمان موجودہوں اورکفارپرحملے کی صورت میں ان کے مارے جانے کا خوف ہوتوحملے سے رک جاناچاہیئے۔واضح رہے کہ آپؒ کا یہ استدلال اقدامی جہاد کے حوالے سے ہے۔

اس آیتِ مبارکہ کے الفاظ ہی سے یہ بات ظاہرہے کہ یہاں ایسے کسی حملے کے حرام ہونے کی دلیل نہیں پائی جاتی،لہٰذا بہت سےعلماءنے امام اوزاعیؒ کےاس استدلال کی تردیدکی ہے۔امام ابو یوسفؒ'**الرد علی سیر الأوزاعی**ؒ'میں لکھتے ہیں:

''امام اوزاعیؒ نے اس آیت کواس کے اصل مقام پرمنطبق نہیں کیا۔اگرمشرکین کے درمیان مسلمان بچوں کی موجودگی کی بناءپرانہیں نشانہ بنانااوران سےقتال کرناحرام مان لیاجائےتو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مشرکین کے اپنے عورتوں اوربچوں کی موجودگی میں بھی ان سےقتال کرناحرام ہے،کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے(ان کی)عورتیں اور

بچے قتل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت فرمانے کے باوجود اہلِ طائف، اہلِ خیبر، بنی قریظہ اور بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں نے ان کے خلاف ہر وہ حربہ استعمال کیا جو ان کے بس میں تھا۔ نیز یہ بات بھی ہم تک پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کے خلاف منجنیق استعمال کی۔

پس اگر مسلمانوں پر یہ بات واجب ہوتی کہ 'مشرکین کے درمیان بچوں کی موجودگی کی صورت میں' وہ حملے سے رک جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما دیتے کہ ''جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی ان سے نہ لڑو''، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ان کے شہروں اور قلعوں میں بچے، عورتیں، عمر رسیدہ بوڑھے، کم عمر اور قیدی وغیرہ موجود نہ ہوں۔مگر طائف اور دیگر مقامات پر جو کچھ ہوا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظ و مشہور سنتوں میں سے ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مسلمان، یعنی اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین، دوسری اقوام کے قلعوں پر حملوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرتے رہے۔ہم تک ایسی کوئی بات نہیں پہنچی کہ ان حضرات میں سے کوئی بھی مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کے قلعوں پر گولہ باری کرنے یا ان کے خلاف کوئی اور حربہ استعمال کرنے سے اس بنا پر رکا ہو کہ وہاں عورتیں اور بچے یا کوئی بھی ایسا فرد موجود ہے جس کا قتل حلال نہیں۔'' **(الرد علی سیر الأوزاعیؒ: ص ٦٦ وما بعدھا)**

امام شافعیؒ 'کتاب الأم' میں امام اوزاعیؒ کا قول نقل کرنے کے بعد امام ابو یوسفؒ کا مذکورہ بالا قول نقل کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں:

''امام اوزاعیؒ نے جو تاویل کی ہے اس تاویل کی گنجائش موجود ہے، مگر اس کا امکان بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے مکہ والوں سے قتال نہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی جانتے تھے کہ ان کا ایک گروہ برضا و رغبت ایمان لے آئے گا۔ البتہ

جب اہلِ قلعہ سے لڑائی کرنا ضروری نہ ہوتو ہم امام اوزاعیؒ کی رائے ہی کو ترجیح دیں گے۔ اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں تو ان پر حملہ نہ کرنا مسلمانوں کو مار ڈالنے کے گناہ کی نسبت زیادہ بہتر اور محفوظ راستہ ہے۔ لیکن اگر ہم اس حد تک مجبور ہو جائیں کہ ان سے جنگ نہ کرنے کی صورت میں ہمیں اپنی جانوں کا خوف ہو تو ہم ان سے قتال کریں گے، البتہ کسی مسلمان کو قصداً قتل نہیں کریں گے، پھر اگر وہ اتفاقاً ہمارے ہاتھوں مارے جائیں تو ہم کفّارہ ادا کریں گے(۱)۔ لہٰذا جب تک ایسی ضرورت نہ ہو، ان سے قتال نہ کرنا زیادہ محفوظ اور میرے نزدیک پسندیدہ رائے ہے۔'' (الأم: ۳۴۹/۷)

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

''جہاں تک اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **ولولا رجال مؤمنون ونساء ...الخ** کو اس بات کی دلیل بنانے کا تعلق ہے کہ جب کفار کے درمیان مسلمان پائے جاتے ہوں تو ان پر حملہ کرنا درست نہیں، تو یہ آیت ایسی کسی بات پر دلالت نہیں کرتی۔ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ مشرکینِ (مکہ) کے درمیان مسلمان بھی پائے جاتے تھے اور اگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تلوار کے زور پہ داخل ہوتے تو اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ مسلمان بھی ان کے ہاتھوں مارے جاتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو ان پر حملہ نہیں کرنے دیا۔ یہ چیز صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر مشرکین کے درمیان مسلمان بھی موجود ہوں تو ان کو نشانہ بنانے اور حملہ کرنے سے رکنا مباح ہے۔ یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی جس سے ایسی صورت میں حملہ

---

(۱) ایسی صورت میں کفارہ دینے کا مسئلہ اختلافی ہے۔ اس بارے میں تین آراء پائی جاتی ہیں:

اول : دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ مالکیہ اور شافعیہ کی مشہور رائے یہی ہے۔

دوم : صرف کفارہ واجب ہے، نہ کہ دیت۔ حنابلہ کی مشہور رائے اور امام ثوریؒ کا قول یہی ہے۔

سوم : کفارہ اور دیت دونوں واجب نہیں: احناف کی مشہور رائے یہی ہے۔

کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہو...... کیونکہ یہ بات تو درست ہے کہ مسلمانوں کو بچانے کی خاطر مشرکین پر حملے سے رکنا مباح قرار دیا جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی معقول ہے کہ مسلمانوں کے لئے حملہ کرنا بھی مباح ہو اور مسلمان دونوں میں سے جس راہ (میں شرعی مصلحت دیکھیں اسے) اختیار کرلیں۔ بہرحال اس آیت میں ایسی کوئی دلیل نہیں موجود جس سے (ایسی صورت میں) مشرکین پر حملہ ممنوع قرار پائے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ: 'اس آیت کا سیاق وسباق ممانعت پر دلالت کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

......**لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ** (الفتح: ۲۵)

''......جنہیں تم نہیں جانتے انہیں تم بے خبری میں پامال کردو گے اور اس سے تم پر **معرّۃ** آئے گا۔''

پس اگر یہ ممانعت نہ ہوتی تو مسلمانوں کو ان کے قتل پر کسی'' **معرّۃ**'' کا سامنا نہ کرنا پڑتا' ......تو یہ اعتراض کرنے والے کو کہا جائے گا کہ مفسرین اس آیت میں وارد ہونے والے لفظ ''**معرّۃ**'' کے معنی پر متفق نہیں۔ ابنِ اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ''**معرّۃ**'' سے مراد ہے: 'دیت کی شکل میں جرمانہ'۔

بعض کے نزدیک اس سے مراد 'کفارہ' ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد 'وہ دکھ ہے جو اپنے ہاتھوں سے اتفاقاً مسلمان کا قتل واقع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے'، کیونکہ مومن اگر قصداً نہ بھی مارے، تب بھی (اس کے ہاتھوں) کسی مسلمان کا قتل اسے مغموم کردیتا ہے۔ کچھ اور علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے 'حرف آنا'۔ اسی طرح بعض علماء کے حوالے سے یہ قول مروی ہے کہ: '**معـرّۃ** کا مطلب ہے گناہ'، مگر یہ رائے اس لئے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ بات واضح کردی ہے کہ اگر ایسا کوئی قتل واقع ہوتا بھی تو لاعلمی میں ہوتا:

لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ..... بِغَيْرِ عِلْم (الفتح: ۲۵)

''جنہیں تم نہیں جانتے انہیں تم پامال کردو گے...... بے خبری میں۔''

اور جو کام لاعلمی میں کیا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ فِیۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِہٖ وَ لٰکِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ (الأحزاب : ۵)

''تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔''

لہٰذا یہاں یہ بات تو واضح ہے کہ ''**معرّۃ**'' سے 'گناہ' مراد نہیں ہے۔

اب جبکہ پیچھے دی گئی گفتگو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کفار پر حملہ کرنا جائز ہے، خواہ ہمیں ان کے درمیان مسلمانوں کی موجودگی کا علم ہی کیوں نہ ہو، تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ یہ بات بھی تسلیم کی جائے کہ جب مشرکین مسلمانوں کو بطور ڈھال استعمال کریں تب بھی ان پر حملہ کرنا جائز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مقصود صرف مشرکین کو مارنا ہی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان (جسے ڈھال بنایا گیا ہو) اتفاقاً مارا جائے، تو نہ کوئی دیت ادا کرنا ہوگی نہ ہی کفارہ...... بالکل اسی طرح جیسے کفار کے قلعوں پر گولہ باری کے دوران وہاں موجود مسلمان مارے جانے پر کوئی دیت اور کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ نیز (دیت اور کفارہ واجب نہ ہونے کی) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ہمیں کسی خاص سمت میں کفار کے درمیان مسلمانوں کی موجودگی کا علم ہو تب بھی ان پر حملہ کرنا ہمارے لئے مباح قرار دیا گیا ہے۔ گویا (ایسی حالت میں) یہ مسلمان اپنے شرعی حکم کے اعتبار سے ان لوگوں کی طرح ہو جاتے ہیں جن کا قتل مباح ہے، لہٰذا انہیں قتل کرنے سے کوئی دیت یا کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

نیز (یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ) آیت میں مذکور لفظ ''**معرّۃ** '' سے نہ تو دیت مراد ہے نہ ہی کفارہ، کیونکہ نہ تو یہ لفظ خود ان معنوں پر دلالت کرتا ہے، نہ ہی کوئی اور دلیل اسے یہ معنی عطا کرتی ہے۔

اس سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ آیت میں وارد ہونے والے اس لفظ سے مراد کسی مسلمان کے دل میں اس کے ہاتھوں ایک اہلِ ایمان کے اتفاقی قتل سے پیدا ہونے والے غم اور گھٹن کے جذبات ہیں۔اسی طرح معرّۃ کو 'حرف آنے' کے معنی میں لینے کی گنجائش بھی موجود ہے کیونکہ عموماً کسی شخص کے ہاتھوں قتلِ خطاء بھی ہو جائے تو اسے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔''(أحکام القرآن: ۵۸۹/۳)

ثانیاً......اگر ہم اس اعتراض کو مطلقاً درست مان لیں تو ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ ہم جہاد کو سرے سے ہی معطل کر دیں، کیونکہ کفار کا کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں مسلمان نہ پائے جاتے ہوں۔ ہمیں جہاد کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے، اس کی فرضیت ثابت کرنے کے لئے قطعی دلائل ہمارے پاس موجود ہیں اور مسلمان متواتر ہر دور میں یہ فریضہ ادا کرتے رہے ہیں، لہٰذا ہمیں جہاد تو بہر حال کرنا ہے۔اب چونکہ دورانِ جہاد کفار کو نشانہ بناتے بناتے کچھ مسلمانوں کا بھی ساتھ ہی مارے جانا ناگزیر ہے، چنانچہ ایسا کرنا جائز ہے اور محض کچھ مسلمانوں کی جان جانے کے خوف سے جہاد روکا نہیں جائے گا۔

امام محمد بن حسن الشیبانیؒ فرماتے ہیں:

''دشمنوں کے درمیان مسلمان بچوں یا بڑوں، عورتوں یا مردوں کا بطور قیدی یا مستأمن کے پایا جانا بھی ایسے اقدامات کرنے میں مانع نہ ہوگا ......چاہے ان کا وہاں موجود ہونا ہمارے علم میں ہی کیوں نہ ہو......کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ دشمنوں کا زور توڑنے کا حکم بھی پورا کیا جائے اور ان کے درمیان موجود مسلمانوں پر آنچ بھی نہ آئے۔لہٰذا جس چیز سے بچنا ہماری استطاعت سے باہر ہو، اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔'' (شرح السیر الکبیر: ۱۴۶۷/۴)

عبادی حنفیؒ فرماتے ہیں:

''مصنف کے قول کہ **[اگر کفار کے درمیان مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی پائے جاتے ہوں تب بھی ان پر اسلحہ برسانے میں کوئی حرج نہیں]** سے مقصود ایسی حالت میں بھی تیر،

پتھر یا منجنیق کے گولے برسانے کو جائز قرار دینا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے 'ضررِ عام' دور ہوگا، یعنی مسلمانوں کا بحیثیتِ مجموعی تحفظ یقینی بنے گا، جبکہ تاجر یا قیدی کا مارا جانا 'ضررِ خاص' ہے۔'' (الجوهرة النيرة:۲/۲۵۸)

حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں:

''[**اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں**]، ایک یا ایک سے زیادہ، [**خواہ وہ قیدی ہوں یا تاجر، تو بھی ایسا کرنا جائز ہے**]، یعنی ان کا محاصرہ کرنا، انہیں کسی ایسے ذریعے سے قتل کرنا جس سے عام ہلاکت پھیلے اور ان پر غفلت میں شبخون مارنا' خواہ ایسا کرتے ہوئے اس بات کا علم ہو کہ اس سے مسلمان بھی ضمناً مارا جائے گا۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو کفار کو مارتے ہوئے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ [**اس مسئلے میں ہمارے مذہب کا مؤقف یہی ہے**] تاکہ کفار کسی مسلمان کو اپنے قبضے میں لے کر جہاد معطل نہ کرسکیں۔'' (تحفة المحتاج:۹/۲۴۲)

ثالثاً...... اگر ہم اس اعتراض کو ایک لمحے کے لئے درست مان بھی لیں تو بھی اس کا دائرۂ کار محض اقدامی جہاد تک ہی محدود ہوگا۔ دفاعی جہاد میں، جب کفار کو پچھاڑنے کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو، تو عام تباہی پھیلانے والے ذرائع استعمال کرنے کا جواز ہر شک سے بالاتر ہے۔ کم از کم اس رائے پر تو تمام علماء کو متفق ہونا چاہیئے۔ ہم اس سے پہلے امام شافعیؒ کا یہ قول دیکھ چکے ہیں:

''......لیکن اگر ہم اتنے مجبور ہو جائیں کہ کفار کے خلاف جنگ روکنے کی صورت میں ہمیں اپنی جانوں کا خوف ہو، تو ہم ان (کے درمیان مسلمانوں کی موجودگی کے باوجود) ان سے لڑیں گے۔ البتہ جان بوجھ کر کسی مسلمان کو نشانہ نہیں بنائیں گے۔''

یہ مسئلہ بعینہٖ مسلمانوں کو ڈھال بنانے کے مسئلے کی مانند ہے۔ اس بات پر تو تمام علماء ہی متفق ہیں کہ اگر کفار مسلمانوں کو بطور ڈھال استعمال کر رہے ہوں، اور مسلمانوں کے پاس حملے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو، تو حملہ کیا جائے گا خواہ نتیجتاً مسلمان بھی مارے جائیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”و قد اتفق العلماء على أن جيش الكفار اذا تترسوا بمن عندهم من المسلمين وخيف على المسلمين الضرر اذا لم يقاتلوا فانهم يقاتلون و ان أفضى ذلک الى قتل المسلمين الذين تترسوا بهم “اهـ.

”اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ اگر کفار کچھ مسلمان قیدیوں کو بطور ڈھال استعمال کریں، اور کفار سے لڑائی نہ کرنے کی صورت میں باقی مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو ان کے خلاف لڑا جائے گا خواہ نتیجتاً ڈھال کے طور پر استعمال کئے جانے والے مسلمان مارے ہی کیوں نہ جائیں۔“ (الفتاویٰ: ۵۴۶/۲۸)

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب کو ہم سب کیلئے باعثِ نفع بنائے، اور میرے اس کام کو لِوَجہِ اللّٰہ خالص کر لے۔ آمین!

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.